کس امیر کی اطاعت کی جائے؟

احادیث میں جہاں کہیں بھی امیر کی سمع واطاعت کا تذکرہ ہوا ہے وہاں امیر سے مراد ایسا حکمران ہے جو مقتدر اور بااختیار ہو، حدود اللہ کا نفاذ کرسکتا ہو اور دین اللہ کو اپنی اصلی حالت میں بغیر جمہوریت کا سہارے لیے قابل عمل گردانتا ہو اور ایسا اس کے قول وعمل سے ظاہر ہوتا ہو۔لیکن آج ہر جماعت انھی احادیث کا سہارا لیے عوام کو صرف اپنے دائرۂ اتباع میں محصور کرنا چاہتی ہے جو سرتاپا حقائق کے خلاف ہے۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وهو قد أخبر أنه بعد ذلك يقوم أئمة لا يهتدون بهديه ولا يستنون بسنته وبقيام رجال قلوبهم قلوب الشياطين في جثمان الإنس وأمر مع هذا بالسمع والطاعة للأمير وإن ضرب ظهرك وأخذ مالك، فبين أن الإمام الذي يطاع هو من كان له سلطان سواء كان عادلا أو ظالما.“ (منهاج السنة)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ آئندہ وقت میں ایسے امام ہوں گے جو نبی علیہ السلام کی تعلیمات اور سنتوں سے راہنمائی نہیں لیں گے۔اور ایسے لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے جن کے جسم انسان کے ہوں گے لیکن دل شیطانی ہوں گے (یعنی فتنہ پرداز) اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کی اطاعت کا حکم دیا جو اگرچہ ظلم کریں اور مال ومتاع چھین لیں۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس امام وامیر کی اطاعت فرض قرار دی گئی ہے وہ ہے جو صاحب اختیار ہو، خواہ ظالم ہو یا عادل۔“

٦٢۔ پینے سے متعلق ممنوع کام:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((نہی رسول الله ﷺ عن الشرب من في السقاء .))

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥٦٢٩، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٠٢٣)

''اللہ کے رسول ﷺ نے مشکیزے یا مٹکے کو منہ لگا کر پینے سے منع فرمایا۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((زجر النبي ﷺ عن الشرب قائما .)) (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٠٢٤)

''اللہ کے رسول ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے تاکیداً منع فرمایا۔''

٦٣۔ سونے اور چاندی کے برتن استعمال کرنا:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((لا تشربوا في آنية الذهب والفضة ولا تلبسوا الحرير والديباج فإنها لهم في الدنيا ولكم في الآخرة .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٥٤٢٦، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٠٦٧)

''تم سونے چاندی کے برتن میں پانی نہ پیو اور نہ ہی حریر دیباج (ریشم) پہنو۔ یہ چیزیں اُن (کافروں) کے لیے دنیا میں اور ہمارے لیے آخرت میں ہی۔''

٦٤۔ نبی کریم ﷺ پر درود نہ پڑھنا:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

((رغم أنف رجلٍ ذكرت عنده لم يصل علي .)) (ترمذي، رقم الحديث: ٣٤٤٥)

''اس شخص کا ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا تذکرہ ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔''

(عبدالرحیم بلتستانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

بانی: مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ

سرپرست: مولانا ابوبکر صدیق السلفی

مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان

ہفت روزہ

الاعتصام

لاہور

یکے از مطبوعات دار الدعوۃ السلفیۃ

24 رجب المرجب 1433ھ جمعۃ المبارک 15 تا 21 جون 2012ء

شمارہ 24 جلد 64

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج برانچ لاہور

فون نمبر : 042-3735 4406

فیکس نمبر : 042-37229802

رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

بدل اشتراک

فی پرچہ	:	12/- روپے
سالانہ	:	500/- روپے
بیرونی ممالک سے	:	200/- ریال 60/- ڈالر امریکی

پرنٹر: پرنٹ یارڈ پرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاکر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اداریہ

بابرکت لوگ

حافظ احمد شاکر

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، کتابیں نازل فرمائیں تاکہ اس کی سب بہترین مخلوق انسان اللہ تعالیٰ کا مطیع بن کر جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائے لیکن ہر انسان میں چھپا ہوا اس کے ازلی حریف اور دشمن شیطان نے انسان کو مطاع ...... جس کی اطاعت کی جائے ...... بن جانے کے خبط میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ ہر انسان اپنے اپنے مقام پر یہی چاہتا ہے کہ اللہ کی مخلوق اس کی اطاعت کرے سوائے ان خوش نصیب انسانوں کے جو دین اسلام سے آشنا ہیں، وہ علماء ہوں، طالب علم ہوں، دین کے خدمت گزار ہوں اور چاہے دین پر عمل کرنے والے اور اسے آگے پہنچانے کے لیے کوشاں رہنے والے ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ بصیرت عطا فرمائی ہوتی ہے کہ شادمانی و کامرانی اللہ کی اطاعت میں ہے۔ اپنی اپنی بساط کی حد تک نبی ﷺ سے لے کر دور حاضر تک ایسے بابرکت انسان ہمیشہ بلکہ ہر طبقے میں اور ہر مقام پر موجود ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں اور اس کے دین اور اس کی مخلوق کی خدمت بھی صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے کرتے ہیں۔

ایمان بالآخرت سے محروم اقوام نے جب سے "اجر علی اللہ" کی اس تھیوری یا اصول کو جو اللہ تعالیٰ نے ہر رسول اور نبی کو عطا کیا تھا، روندتے ہوئے انسان کو ہر کار خیر یا اچھے عمل کا فوری اور دنیا میں اجر وصول کرنے کی انگیخت دینی شروع کی۔ تب سے انسانی ذہن کی سوچ اور فکر ہی کی کایا کلپ ہو چکی ہے۔ جب کہ سورۂ مدثر کی آیت نمبر ۶ اور ۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے ذریعے بنی نوع انسان کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً جو ہدایت فرمائی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اچھے کام دنیا سے زیادہ بدلہ پانے کے لیے مت کیا کرو۔ بلکہ عمل خیر کا اپنے رب سے اچھا بدلہ پانے کے لیے اپنے ربّ کی رضا کے لیے صبر کرو۔

دلدادگان جمہوریت اگر صرف ان عالمی جمہوری حکومتوں کا جائزہ لیں یا اپنے ملک میں رائج جمہوری حکومتوں کے سربراہوں کے کردار کا موازنہ کریں تو انھیں یہ واضح نظر آئے گا کہ

- ان جمہوری ممالک کے حکمران اپنے عوام، ملک اور مذہب سے دغا نہیں کرتے یا یوں کہہ لیں کہ عوام سے دھوکا نہیں کرتے۔ ملک سے بے وفائی نہیں کرتے یعنی ملکی مفاد پر کسی دوسرے کے مفاد کو ترجیح نہیں دیتے اور حکومتی سطح پر اپنی مذہب میں نہایت متعصب اور متصلب ہوتے ہیں۔
- ہماری پہنچ چوں کہ صرف اُردو کے چند اخبارات تک ہے اس لیے ان کی محدود معلومات کے مطابق یہ انتخابی اخراجات کا حساب بھی باقاعدہ رکھتے ہیں اور منابع یعنی ذرائع آمدن کا گوشوارہ اپنی حکومت کو جمع بھی کراتے ہیں۔
- اُس مادر پدر آزاد معاشرے میں بھی یہ (صدر و وزراء) سیاست و اقتدار میں آ کر اخلاقیات کا بھی بہت لحاظ کرتے ہیں جیسا کہ بعض غیر محتاط مغربی حکمرانوں اور سیاستدانوں کے سکینڈلز کی خبریں اور واقعات اخبارات میں آتے رہتے ہیں۔
- جمہوری حکومتوں میں حزبِ اقتدار کے مقابلے میں ایک ایسی مضبوط حزب مخالف (اپوزیشن) ہوتی ہے جو نہ صرف برسر اقتدار جماعت کے اعمال و افعال کی نگرانی کرتی ہے بلکہ ایک عارضی (Shido) کابینہ کو بھی مصروفِ عمل رکھتی ہے تاکہ آنے والے...... مستقبل کے...... حکمرانوں کی عملی تربیت کا اہتمام بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہے۔
- جمہوری ممالک حکومت کی آمدنی (محصولات، ٹیکسز اور مصنوعات کی آمدن وغیرہ) اپنے حکمرانوں یا اپنی کابیناؤں کی وسعت پر خرچ نہیں کرتے اس لیے کہ وہاں اکثر یورپی ممالک کی کابینہ ہاتھ یا ہاتھوں کی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں بلکہ وہ جملہ آمدن صرف اپنے عوام کی فلاح و بہبود پر خرچ کرتے ہیں یا

پھر عالمی سیاسی تسلط کے لیے ترقی پذیر حکومتوں یا حکمرانوں کے خریدنے پر خرچ کرتے ہیں۔
ہمارے ملاحظہ کرنے کی بات یہ ہے کہ ہماری طرف ارسال شدہ جو جمہوریت آتی ہے کیا وہ یہی ہوتی ہے جس کا ان کے ہاں چلن ہے؟ آپ اس کا جواب یقیناً نفی میں دیں گے کیوں کہ ہمارے سیاستدانوں کی سیاسی تربیت اور نمو میں سے اگر ذاتی، سیاسی اور گروہی مفادات نکال دیں تو ان کی سیاست کے لیے باقی کچھ بچتا ہی نہیں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ پاکستانی جمہوریت کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہ بات قبول کرنے میں اگر تامل ہو تو پاکستانی حکمرانوں کی تاریخ دیکھ لیں کہ مفادات سے مبرّا سیاستدان بلکہ حکمران تو شاید دو انگلیوں کے پوروں سے آپ کم پائیں گے۔

جلد یا بدیر اب انتخابات آنے والے ہیں ووٹوں کے خواہشمند خدّامِ قوم اب اپنے اپنے علاقوں کے عوام کے غم گسار بھی بنیں گے اور ان کے دکھ درد بانٹنا بھی ان کو یاد آ جائے گا کہ یہی ان کا طریقہ واردات ہے، گزشتہ انتخابات کے نامکمل وعدوں کو نظرانداز کر کے نئے وعدے وعید بھی کریں گے، منصوبے بنائیں گے، سبز باغ دکھائے جائیں گے، دعوتیں اڑائی جائیں گی اور امیدوار خودکم اور ان کے حواری ان کی طرف سے ناکردہ کارنامے بیان کر کے داد وتحسین کے ڈونگرے برسائیں گے اور انتخابات کے بعد پھر وہی (ترمیم کے ساتھ)

وہی میری کم نصیبی وہی ''ان کی'' بے نیازی ''ہمارے'' کام کچھ نہ آیا یہ کمال نے نوازی

گزشتہ سطور میں قرآنِ حکیم کی جس آیت مبارکہ کا ذکر کیا گیا اس کے مطابق اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی کام مقبول ہوگا اور آخرت میں وہی اچھا عمل مجسم اجر کی صورت نصیب ہوگا جو کام اس کے اجر، معاوضے، تحسین وتحمید کی خواہش کے بغیر کیا گیا ہوگا جبکہ ہمارے ہاں اپنے کردہ وناکردہ اعمال کے اعتراف ہی نہیں تحسین کی خواہش کم وبیش ہر لیڈر یا خادم قوم (M.N.A, M.P.A) کی باتوں اور چہروں سے ہویدا ہوتی ہے۔ اس داستان سرائی یا طول کلامی کی غرض صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جن لوگوں کے دلوں میں افعال خیر کی لو جگاتا ہے وہ سب اپنی ہمت وقدرت کے مطابق نیت بھی خیر کی فرمالیں اور اس کے اجر کی امید بھی اللہ تعالیٰ سے رکھیں۔ وہ کام تبلیغی ہو، تربیتی ہو، رفاہی ہو یا انسانیت کے احساس سے مالا مال ہو۔ ہماری خواہش ہے کہ اس کام کی ابتدا اہل دین، علمائے دین اور طلبائے دین کی طرف سے ہو تو ان شاء اللہ نتائج میں خیر وبرکت اس قدر رہوگی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

چہ نسبت ....!

ہماری خوش فہم اور مبالغہ آرائی کی عادی قوم اپنی پسندیدگی کو اس بلندی تک لے جاتی ہے کہ وہ جواز کی حدود پھلانگ کر شریعت کی مقرر کردہ حد کا بھی خیال نہیں رکھتی۔ یہ قوم جب کسی کو مقام دینے پہ آتی ہے تو یہ کسی بھی انسان کو نہ نجات دہندہ کہنے سے رکتی ہے، نہ عوام کو طاقت کا سرچشمہ کہنا اس کو مشکل لگتا ہے حتی کہ دینی علم سے نابلد اور عقل سلیم سے عاری متملق افراد اس پرفتن دور میں حاکم وقت کو امیر المومنین تک کہنے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ یہ بات اس لیے ذہن میں آئی کہ آج کل، ''اصل تو کارزارِ سیاست ہی ہے'' تاہم اخباری دنیا میں ایک انصاف طلب کیس کی بہت دھوم مچی ہوئی ہے جس کی عدالت عظمیٰ میں سماعت جاری ہے۔ اس میں کتنی حقیقت ہے کچھ ہے بھی یا نہیں؟ اس پر ہم خود کو رائے زنی کا اہل اس لیے نہیں سمجھتے کہ یہ عدالت عظمیٰ میں زیر سماعت ہے اور نہ ہی ہمارے پاس ایسے وسائل ہیں۔ تاہم پی۔ پی کے اس ''سنہرے'' دور حکومت (''جس کو لوگ بحرانوں کا دور بھی کہتے ہیں'') کے دیگر ایشوز کی طرح اس کیس کے بھی حامی ومخالف اصحاب نگارش خوب قلم چلا رہے ہیں۔ گزارش صرف اتنی ہے کہ دور حاضر کے کسی انسان کو کسی صحابی ؓ سے مماثلت دینے سے اجتناب بلکہ بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے۔ کیا قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سائے کا پہلا حق دار عادل حاکم نہیں؟ کیا یہ بہت بڑی فضیلت نہیں؟ اسی طرح سیاسی ودینی جماعتوں کو نہ اپنے اصول وضوابط کو قوانین الٰہی جاننا چاہیے جیسا کہ اٹھارویں ترمیم میں ہے اور نہ ہی اپنے سیاسی فیصلوں کو ایسا حکم باور کرانا چاہیے کہ جس کی حکم عدولی شریعت کی حکم عدولی متصور ہو سکے۔ دور حاضر کے مسلمانوں کے ایمان کی جو فضیلت نبی ﷺ نے بیان فرمائی بجا لیکن دور حاضر کے مسلمانوں کے کسی فرد کو صحابی سے تشبیہ یا کسی سیاسی فیصلے کو فیصلہ نبوی سے مشابہت؟ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک

درس قرآن — قسط نمبر ۲۷

تفسیر سورۂ یٰس

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

﴿اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ﴾ اہل مکہ کے لیے رسولوں اور ان کے ساتھ مردِ حق پرست کی مثال بیان کرکے رسولوں کی تکذیب اوران پر ایمان لانے والوں کی تعذیب کے انجام سے خبردار کرنے کے بعد اب انھیں براہِ راست خطاب ہے اور انھیں ماضی کے تناظر میں بتلایا ہے کہ جو خطرناک کھیل تم کھیل رہے ہو، یہ کھیل کھیلنے والوں کا انجام ہمیشہ ان کی تباہی وبربادی ہوا ہے۔ انھیں ہم نے ایسے مٹایا کہ پھر وہ اٹھ نہ سکے اور نہ ہی واپس دنیا میں آسکے، اب ان کی حاضری ہمارے پاس ہوگی اور ہم ان سے ان کے اعمال کا حساب لیں گے۔

﴿اِلَیۡہِمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ﴾ ایسی ہلاکت سے دوچار ہوئے کہ وہ ان کی طرف نہیں آتے۔ اس میں ان کی تردید ہے جو دنیا سے چلے جانے کے بعد دوبارہ پلٹ آنے کا تصور رکھتے ہیں۔ بعض ایسے بھی تھے جو اپنی جہالت کی وجہ سے کہتے تھے:

﴿مَا ہِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنۡیَا نَمُوۡتُ وَنَحۡیَا وَمَا یُہۡلِکُنَاۤ اِلَّا الدَّہۡرُ﴾ [الجاثیة: ٢٤]

''ہماری دنیا کی زندگی کے سوا کوئی (زندگی) نہیں، ہم (یہیں) جیتے اور مرتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا۔''

یہ دہریہ صفت لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ہم مرتے ہیں اور پھر کسی شکل وصورت میں دنیا میں آجاتے ہیں، حالانکہ یہ محض ان کا وہم ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد کوئی واپس پلٹ کر نہیں آتا۔

شہداء کے بارے میں ہے کہ وہ شہادت کا مرتبہ پانے کی تمنا کرتے ہیں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں کہ دنیا میں دوبارہ جائیں تاکہ دوسری بار پھر شہید ہوں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

''تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے باپ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما، جو اُحد میں شہید ہوئے تھے، کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا، پھر فرمایا: بتلاؤ کیا چاہتے ہو؟ تو تمھارے باپ نے کہا: مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج دیجیے تاکہ دوسری بار شہادت کا مرتبہ پاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"إني قضيت الحكم أنهم إليها لا يرجعون."

(مسند أحمد: ٣/ ٣٦١)

''میں نے فیصلہ کیا ہے کہ یہاں آنے والے دوبارہ دنیا میں نہیں جائیں گے۔''

علامہ قرطبی نے فرمایا ہے:

"وهذه الآية ردّ على من زعم أن من الخلق من يرجع قبل يوم القيامة." (قرطبي: ١٥/ ٢٤)

''یہ آیت اُس کی تردید کرتی ہے جو خیال کرتا ہے کہ مخلوق میں کچھ ایسے ہیں جو قیامت سے پہلے دنیا میں آجاتے ہیں۔''

علامہ آلوسی نے بھی کہا ہے کہ اس آیت سے روافض کی تردید ہوتی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رجعت کے قائل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قیامت سے پہلے دنیا میں آئیں گے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: پھر تو ہم بہت بُرے لوگ ہوئے۔ ہم نے ان کی بیویوں سے نکاح کیے اور

(باقی صفحہ نمبر ۸ پر)

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ
تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیو کرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: المأدبة

کھانے کی دعوت

١٢٧٩ . عن ميمون- يعني ابن مهران- قال: سألت نافعا: هل كان ابن عمر يدعو للمأدبة؟ قال: لكنه انكسر له بعير مرة فنحرناه ثم قال: احشر علي المدينة ، قال نافع: فقلت: يا أبا عبد الرحمن! على أي شيء؟ ليس عندنا خبز ، فقال: اللهم لك الحمد هذا عُراق وهذا مرق ، أو قال: مرق وبضع ، فمن شاء أكل ومن شاء ودع .

''میمون بن مہران سے روایت ہے کہ میں نے حضرت نافع سے پوچھا: کیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو کھانے کی دعوت دیتے تھے؟ انھوں نے کہا: بہت کم۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ان کے اونٹ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ ہم نے اس کو ذبح کر ڈالا۔ انھوں نے کہا: شہر میں دعوت عام دے دو۔ نافع کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے ابوعبدالرحمٰن! کس چیز کی دعوت دیں، ہمارے پاس روٹی تو ہے نہیں۔ انھوں نے کہا: اے اللہ! سب تعریفیں تیرے لیے ہیں، یہ گوشت یہ ہڈی شوربا ہے اور گوشت کے ٹکڑے ہیں، جس کا دل چاہے گا کھالے گا جو نہ چاہے گا نہ کھائے۔''

باب: الختان

ختنہ کرنا

١٢٨٠ . عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ: قال: ((اختتن إبراهيم ﷺ بعد ثمانين سنة ، واختتن بالقدوم)) قال أبو عبد الله: يعني موضعا .

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسّی سال کی عمر میں اپنا ختنہ خود مقام قدوم میں کیا تھا۔''

باب: خفض المرأة

عورت کا ختنہ کرنا

١٢٨١ . عن عبد الواحد قال: حدثتنا عجوز من أهل الكوفة - جدة علي بن غراب - قالت: حدثتني أم المهاجر قالت: سبيت في جواري من الروم ، فعرض علينا عثمان الإسلام ، فلم يسلم منا غيري وغير أخرى ، فقال عثمان: اذهبوا فاخفضوهما وطهروهما .

''عبدالواحد سے روایت ہے کہ کوفہ کی ایک بوڑھی عورت جو کہ علی بن غراب کی دادی تھیں، نے مجھ سے بیان کیا کہ ام المہاجر نے کہا: میں روم کی لونڈیوں میں گرفتار ہو کر آئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، میرے اور ایک دوسری عورت کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ انھیں لے جاؤ، ان کا ختنہ کر دو اور پاک کر دو۔''

باب: الدعوة في الختان

ختنہ کی دعوت کرنا

١٢٨٢ . عن سالم قال: ختنني ابن عمر أنا

ونُعيما فذبح علينا كبشا، فلقد رأيتنا وإنا لنجذل له على الصبيان أن ذبح عنا كبشا.

''سالم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے اور نُعیم رضی اللہ عنہ کے ختنے کا حکم دیا اور پھر اس خوشی میں ایک مینڈھا ذبح کیا، چنانچہ ہم لڑکوں میں بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ہمارے لیے ختنہ کی تقریب میں مینڈھا ذبح کیا گیا۔''

باب: اللهو في الختان

ختنے کے وقت کھیل تماشا کرنا

١٢٨٣. عن أم علقمة أن بنات أخي عائشة ختن فقيل لعائشة: ألا ندعو لهن من يلهيهن؟ قالت: بلى، فأرسلت إلى عدي فأتاهن فمرت عائشة في البيت فرأته يتغنى ويحرك رأسه طربا ـ وكان ذا شعر كثير ـ فقالت: أف، شيطان أخرجوه، أخرجوه.

''حضرت ام علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی لڑکیوں کے ختنے کی تقریب تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ بچیوں کی دل جوئی کی خاطر اور بہلانے کے لیے کسی کو بلا لیں جو اُن کو کھیل دکھائے؟ انھوں نے کہا: ہاں، بلا لو۔ عدی کو بلایا گیا جو اُن لڑکیوں کے پاس آیا اور گانے لگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں اور دیکھا کہ وہ گا رہا ہے اور اپنا سر دھن رہا ہے۔ اس کے بال لمبے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: اُف، یہ تو شیطان ہے۔ اسے باہر نکالو، اسے باہر نکالو۔''

باب: دعوة الذمي

کسی ذمی کی دعوت قبول کرنے کا بیان

١٢٨٤. عن أسلم مولى عمر قال: لما قدمنا مع عمر بن الخطاب الشام أتاه الدهقان قال: يا أمير المؤمنين! إني قد صنعت لك طعاما فأحب أن تأتيني بأشراف من معك، فإنه أقوى لي في عملي وأشرف لي، قال: إنا لا نستطيع أن ندخل كنائسكم هذه مع الصور التي فيها.

''حضرت اسلم، جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں، سے روایت ہے کہ جب ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ملک شام میں گئے تو حضرت عمر کے پاس ایک دہقان آیا، کہنے لگا: اے امیر المؤمنین! میں نے آپ کی ضیافت کے لیے کھانا تیار کیا ہے۔ آپ ہمارے پاس اپنے چند شرفاء کے ساتھ تشریف لائیں، اس سے ہمیں قوت بھی حاصل ہوگی اور ہماری عزت افزائی بھی ہوگی۔ انھوں نے فرمایا: ہم تمھارے ان گرجا گھروں میں، جن میں تصاویر ہیں، ہرگز داخل نہیں ہوسکتے۔''

باب: ختان الإماء

لونڈیوں کا ختنہ

١٢٨٥. عن عبد الواحد بن زياد قال: حدثتنا عجوز من أهل الكوفة ـ جدة علي بن غراب ـ قالت: حدثتني أم المهاجر قالت: سبيت وجواري من الروم فعرض علينا عثمان الإسلام فلم يسلم منا غيري وغير أخرى، فقال: اخفضوهما وطهروهما، فكنت أخدم عثمان.

''عبدالواحد بن زیاد سے روایت ہے کہ کوفہ کی ایک بوڑھی عورت نے، جو کہ علی بن غراب کی دادی تھیں، مجھ سے بیان کیا کہ ام المہاجر نے کہا: میں روم کی لونڈیوں میں گرفتار ہو کر آئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہم پر اسلام کی دعوت پیش کی۔ میرے اور ایک دوسری عورت کے سوا کسی نے اسلام قبول نہ کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں کو لے جاؤ، ان کا ختنہ کرو اور ان کو پاک کرو۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خادمہ تھی۔''

جرعات

مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ

مسٹر غلام احمد صاحب پرویز بٹالوی اپنے ''طلوعِ اِسلام'' میں اسلام کی ڈیڑھ ہزار سالہ تعلیمات کو بگاڑنے اور اس کے مسلماتِ متوارثہ سے مسلمانوں کو بدگمان کرنے کے سلسلے میں جو ''شاہکار'' وقتاً فوقتاً پیش کرتے رہے ہیں علمائے کرام، کثر الله سوادھم ، نے ان کے سب مغالطات کے پردے چاک کرکے رکھ دیے۔ (اور بحمد اللہ اس جہادِ حفاظت دین میں اہل حدیث کو اوّلیت کا درجہ حاصل ہے۔) اب جو کچھ ادارہ طلوعِ اسلام لکھ رہا ہے وہ اعادہ وتکرار کے سوا کچھ نہیں۔ اس کا کوئی اعتراض یا مغالطہ ایسا نہیں جس کا صحیح ومدلل جواب اہل علم کی طرف سے نہ دے دیا گیا ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب حلقوں پر پرویز صاحب کی حقیقت واضح ہوچکی ہے کہ وہ اوران کے ''معارف قرآنی'' کتنے پانی میں ہیں۔ پھر مجلس اسلامی مذاکرہ منعقدہ لاہور میں دنیائے اسلام کے علمائے عظام نے رہی سہی کسر بھی نکال دی ہے۔ یہ ایسی ٹھوس حقیقت ہے جس سے خود اُن کا تأثر اُس بوکھلاہٹ سے ظاہر ہوتا ہے جو کلوکیم کی رپورٹ دیتے وقت ان پر طاری ہوئی ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اپنے چند ہم خیالوں کے ساتھ ایک ٹولی بن کر رہ گئے ہیں جس کو وسعت دینے کے لیے اب ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ کبھی جماعت سازی کے جدید طریقے اختیار کرکے ''بزمیں'' بنا رہے ہیں، کبھی مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی سے ہم نامی وہم وطنی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام واقف ہوں گے کہ مرزا صاحب نے ''تبلیغِ اِسلام'' کے عنوان سے ''براہین احمدیہ'' نامی کتاب کی طباعت کے لیے چندے کی مہم شروع کی تھی، ان ہی لائنوں پر ''قرآنی فکر ونظام'' کے نام پر قادیانی کے ہم سایہ اس بٹالوی نے بھی ''لغات القرآن'' کی طباعت کے لیے چندے کی مہم چلا دی ہے جس میں قریباً ساٹھ ہزار روپے وصول کرچکے ہیں، مزید سلسلہ جاری ہے۔ وکلا عند ھؤلاء وھؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا .

اس نوعیت کے چندہ بازوں کی کامیابی کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ جس ذہن نے براہین احمدیہ جیسی لغو کتاب کی طباعت کے لیے ہزاروں روپے مرزا صاحب کی نذر کردیے تھے، اسی ٹائپ کے سادہ لوح ''طلوعِ اِسلام'' جیسے دشمن قرآن وحدیث پرویز صاحب کو بھی ہزاروں کے چندوں سے مالامال کرسکتے ہیں، فما أشبه الليلة بالبارحة!

''ادارہ طلوعِ اِسلام'' کا برادر خورد ''ادارہ ثقافتِ اِسلامیہ'' جس انداز سے دینِ اِسلام میں ترمیم وتحریف کرنے میں سرگرم عمل ہے، اس کا نقصان بعض حیثیتوں سے ''بڑے بھائی'' سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس کے عنوان زیادہ دل کش اور چال گہری ہے۔ پرویز صاحب جو باتیں کھل کر کہتے ہیں، اس ادارے کے دانش وَر اس پر اسلامی اصطلاحات کے خول چڑھا دیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اہل علم وتحقیق اور فقہ اسلامی کے حامل اصحابِ قلم میدان میں نکلیں اور اس ادارے کے نئے انداز کے مغالطوں کی جراحی کریں کیوں کہ اس ادارے کا کام یہ ہے کہ ''دائرۂ اِجتہاد'' میں لامحدود ''وسعتیں'' پیدا کرکے وحدت عقائد کے دینی رشتے کو کمزور کرے اور ملک کے برسرِ اقتدار اور عیاش طبقے کو عیاشیوں اور ان کے وسائل کے لیے سندِ جواز مہیا کرکے دے۔ اس بنا پر طلوعِ اِسلام کی طرح اس ادارے کے خدو خال واضح کرنے کی بھی شدید ضرورت ہے۔

چوں کہ یہ ادارہ سلف صالحین کے طریقِ علم وعمل سے مسلمانوں کو بالکل کاٹ دینا چاہتا ہے، اس لیے خطرہ ہے کہ ہماری ماڈرن حکومت

تصریحاتِ کتاب وسنت کی بجائے اسی ادارے کے ''ماڈرن اسلام'' کو اتھارٹی ماننا شروع کردے جیسا کہ اس قسم کے قوی رجحانات پائے جاتے ہیں، چنانچہ حکومت کلبوں، رقص گاہوں اور ناچ گانوں کی طرح اس کی بھی سرپرستی میں سرگرم نظر آتی ہے تاکہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔

بلاتبصرہ:

معزز معاصر ''تسنیم'' اپنی ۳ر جولائی ۱۹۵۸ء کی اشاعت کے ''تکلف برطرف'' میں رقم طراز ہے (مختصراً):

حکومت پاکستان نے مغربی پاکستان کے تعلیمی اور ''ثقافتی'' اداروں کے لیے ۳۸ لاکھ ۳۸ ہزار روپے کی منظوری دی ہے۔ اس میں سے ۲۵ ہزار روپے پاکستان آرٹ کونسل لاہور کے لیے اور ۲۵ ہزار ''ادارہ ثقافتِ اسلامیہ'' کے لیے رکھا گیا ہے۔ الحمرا کی آرٹ کونسل کے ناچ رنگ کے فن کی ترقی کے لیے حکومت ۲۵ ہزار روپے مخصوص کردیتی ہے۔ اور وہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ جو سب کچھ ہے مگر نہ ''ثقافت'' ہے نہ ''اسلامیہ''، اس کو بھی ۲۵ ہزار عطا فرمائے گئے ہیں تاکہ اس کے ''خلیفے'' اسلامی اقدار کو پچھاڑنے کے لیے تصنیف وتالیف کے اکھاڑے میں ڈنٹر پیل سکیں۔

فاعتبروا یا أولي الأبصار!

ضرورت مدرس

بقیہ...... تفسیر سورہ یٰس

ان کی میراث کو تقسیم کیا، تم قرآنِ مجید کی یہ آیت نہیں پڑھتے: ﴿الم یروا کم اهلکنا قبلهم .... إلخ﴾۔ یہاں سے چلے جانے کے بعد شہداء کی دوبارہ واپسی ممکن نہیں تو کسی اور کی واپسی کا تصور کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟

کفار کے بارے میں قرآنِ مجید ہی میں ہے:

﴿حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِo لَعَلِّيْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَo﴾ [المؤمنون: ۹۹، ۱۰۰]

''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تو کہتا ہے: اے میرے ربّ! مجھے واپس بھیج تاکہ میں جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اس سے کوئی نیک عمل کرلوں۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک بات ہے جسے وہ کہنے والا ہے اور ان کے پیچھے اس دن تک جب وہ اٹھا لیے جائیں گے، ایک پردہ ہے۔''

یہاں سے چلے جانے کے بعد ہر ایک کا ٹھکانا ''برزخ'' ہے۔ نیک ہیں تو یہ برزخ اعلیٰ علیین میں ہے اور اگر بُرے ہیں تو ان کا ٹھکانا سجین ہے۔ وہ وہاں سے ایک دوسرے کے ہاں جانے کے اور مزاج پرسی کے مجاز نہیں چہ جائیکہ دنیا میں آنے جانے کے مجاز ہوں اور کسی کی بگڑی سنوارنے کا اختیار رکھتے ہوں۔ کفار تو قیامت کے روز اور پھر جہنم میں چلے جانے کے بعد بھی دنیا میں لوٹ آنے کا مطالبہ کریں گے جس کا ذکر متعدد مقامات پر قرآنِ مجید میں ہوا ہے، ملاحظہ فرمائیں: سورۃ الانعام (آیت:۲۷)، الاعراف (آیت:۵۳)، ابراہیم (آیت:۴۴)، السجدۃ (آیت:۱۲)، المنافقون (آیت:۱۰،۱۱) وغیرہ۔

اصلاحِ معاشرہ

آئمہ مساجد اور ہمارا رویہ

قاری محمد طیب بھٹوی (سرفراز کالونی، گوجرانوالہ)

نحمده ونصلى على رسوله الكريم ، أما بعد!

ایک منظّم سازش کے تحت جب سے نظامِ خلافت کو سبوتاژ کر کے خلافت واِمارت (حکومت واِمامت) کو الگ کر دیا گیا ہے تب سے یہ فریضہ (امامت) سرانجام دینے والوں کو عوام اور معاشرے کی نگاہ میں حقیر سمجھا جانے لگا ہے۔ اور اس منصب پر کام کرنے والے انتظامیہ اور متولیانِ مساجد کے مرہونِ منت ہو کر رہ گئے ہیں، الا ماشاء اللہ۔ اور ان کو مولوی، ملاں اور دیگر کئی قسم کے القابات سے موسوم کر کے اچھوت بنانے کی کوشش کی جانے لگی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سے علمائے عظام وقرائے کرام اور دینی حلقوں کے نام وَر بزرگوں کی اولاد تک اس مشن سے پیچھے ہٹ کر بہ زعم خویش اپنی عزت اور ساکھ کو بحال رکھنے کی کوشس کر رہے ہیں۔ حتی کہ آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارے دینی مدارس میں زیرِ تعلیم اکثر وبیشتر طلباء کا منتہائے نظر اور منزل مقصود سرکاری ملازمت (او۔ ٹی، اے۔ ٹی وغیرہ) ہے یا پھر کوئی کاروبار، الا ماشاء اللہ۔ اسی وجہ سے آج ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ قریب ہی میں ہم سے جدا ہونے والے جید علمائے کرام اور محدثین عظام کی مسندیں خالی پڑی ہیں اور ان کے پُر ہونے کی بھی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔

اس میں اگرچہ ہمارے علمائے کرام بھی کچھ کوتاہیوں کے سبب قصور وار گردانے جاتے ہیں مگر ہمارے عوام کے رویے کا اس میں خاصا عمل دخل ہے۔ لہٰذا علمائے کرام کو بھی تو کلاً علی اللہ اس فریضۂ نبوی کو سرانجام دیتے ہوئے اپنے مقام ومرتبے کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور عوام الناس کو بھی چاہیے کہ اپنے امام وپیشوا اور مسند نبوی کے ورثاء کو حقیر اور کم تر سمجھ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی توہین کے مرتکب نہ ہوں۔ چنانچہ احباب جماعت، عوام وخواص کی یاددہانی اور توجہ کے لیے ذخیرۂ احادیث نبویہ ﷺ سے منصب امامت وآئمہ مساجد کے موضوع پر کچھ معروضات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

امام:

لفظ امام کا معنی مقتدا وپیشوا ہے، یعنی جس کی اقتدا کی جائے اور پیچھے چلا جائے، خواہ وہ نیک ہو یا بد۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا﴾ [البقرة: ١٢٤]

''جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے ربّ نے چند باتوں کے ساتھ آزمایا، اس نے انھیں پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا: بے شک میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کے ساتھ پوتے کی بشارت دینے کے بعد فرمایا:

﴿وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا﴾ [الأنبياء: ٧٣]

''ہم نے ان کو ایسے پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے ساتھ راہنمائی کرتے تھے۔''

فرعون اور آلِ فرعون کے لیے فرمایا:

﴿وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ [القصص: ٤١]

''ہم نے انھیں ایسے پیشوا بنایا جو آگ کی طرف بلاتے تھے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

﴿یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۝﴾ [هود: ٩٨]

''وہ (فرعون) قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے ہوگا، پس انھیں پینے کے لیے آگ پر لے آئے گا اور وہ پینے کی بُری جگہ ہے جس پر پینے کے لیے آیا جائے۔''

یعنی جس طرح یہاں کفر وتکذیب میں امام تھا، قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔

امارت اور امامت:

اسلام میں امارت اور امامت الگ الگ دو منصب نہیں بلکہ ایک ہی منصب کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((من صلى لكم فهو أميركم .))

''جو شخص تمھیں نماز پڑھائے وہ تمھارا امیر ہے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۲/۱۸۷) میں فرماتے ہیں:

"إن الأمير هو الذي يتولى الإمامة بنفسه أو نائبه . "

''امیر امامت کا ذمہ دار ہے، خود کرائے یا اس کا نائب۔''

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا موقف:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ انتہائی درویش منش صحابی رسول ﷺ تھے اور کل کے لیے آج ہی کچھ رکھنے کے قائل نہ تھے۔ بایں وجہ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم، خصوصاً جن کو حکومت میں کچھ عمل دخل تھا، اُن سے ان کی بن نہ آتی تھی۔ امیر المومنین، خلیفۂ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان کو مکہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی جو ''ربذہ'' کے نام سے معروف تھی، وہاں رہنے کا حکم دیا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے تو وہاں کا امام ایک غلام تھا۔ نماز کے لیے اقامت ہوئی، امام صاحب مصلے پر تشریف لائے تو انھیں بتایا گیا کہ یہ ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ پیچھے آنے لگے تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میرے دوست، یعنی رسول اللہ ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں بات سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ حبشی غلام ہی امیر کیوں نہ ہو، لہٰذا میں اسی کے پیچھے نماز ادا کروں گا۔ (فتح الباري: ٢/ ١٧٦)

معلوم ہوا کہ یہ جان نثارِ رسول ﷺ سمجھتے تھے کہ امیر کے لیے جو حکمِ اطاعت ہے، امام کے لیے بھی وہی حکم ہے۔

یہی وجہ ہے جب تک محبوب کبریاء امام الانبیاء ﷺ دنیا میں تشریف فرما رہے، امامت اور امارت آپ ﷺ ہی کے پاس رہی۔ جب آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے تو اِمارت میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے امامت سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر منتخب کردیا، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

"عن حسن ابن علي رضي الله عنهما عن على ابن أبي طالب: لما قبض النبي ﷺ نظرنا في أمرنا فوجدنا النبي ﷺ قد قدم أبابكر في الصلاة فرضينا لدنيانا ما رضيه النبي ﷺ لديننا فقدّمنا أبا بكر رضي الله عنه . " (٢٨/٣)

''حضرت حسن سے مروی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب نبی ﷺ کی وفات ہوئی تو ہم نے اَمرِ خلافت میں نظر کی۔ ہم نے نبی کریم ﷺ کو اِس حالت میں پایا کہ آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز میں آگے کردیا ہے، لہٰذا ہم اپنی دنیا کے لیے اس شخص سے راضی ہوگئے جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تھا۔ ہم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگے کردیا اور انھیں بالاتفاق خلیفہ بنا دیا۔''

پھر جب تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زندہ رہے، امیر اور امام کی حیثیت سے رہے۔ جب دنیا سے جانے لگے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لیے وصیت لکھ دی اور وہ امامت واِمارت کے عہدے پر فائض فائز ہوگئے اور آخر وقت تک رہے حتی کہ شہادت بھی مصلیٰ رسول ﷺ پر نصیب ہوئی۔

عروج وزوال بہ وجہ قرآن:

نافع بن حارث رضی اللہ عنہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف سے گورنر مکہ (عامل) مقرر تھے۔ عفان میں امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اہل مکہ پر تُو نے کس کو عامل مقرر کیا ہے؟ نافع فرمانے لگے: میں نے اپنے پیچھے ابن ابزیٰ کو

عامل مقرر کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ابن ابزیٰ کون ہے؟ نافع فرمانے لگے: وہ ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آزاد کردہ غلام ان پر مقرر کیا ہے! نافع رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المومنین! وہ تو قرآن پڑھا ہوا ہے، احکامِ الٰہی سے واقف ہے اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرسکتا ہے۔ گویا نافع نے امیر المومنین کے اعتراض کا دلائل کے ساتھ جواب دیا کیوں کہ فرمانِ نبوی ہے کہ امامت وہ کرائے جو قرآن کو زیادہ پڑھنے والا ہو۔ اور وہ امارت کا اس لیے زیادہ مستحق ہے کہ وہ کتاب وسنت کا علم بھی زیادہ رکھتا ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمھارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الـلـه يـرفع بهذا الكتاب أقواما ويضع به آخرين .)) (فتح الباري: ١/ ١٤١)

”بے شک اللہ تعالیٰ بلند کرتا ہے ساتھ اس کتاب کے قوموں کو اور نیچا کرتا ہے ساتھ اس کے قوموں کو۔“

اس واقعہ سے بھی ہمارا موقف ثابت ہوتا ہے کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں دونوں ذمہ داریوں کے لائق ہونے کی دلیل بیان کردی ہے۔

امامت کا مستحق کون؟

ہر کام کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی معیار، ڈگری، قابلیت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ خواہ کتنی ہی ڈگری، تعلیم، قابلیت ہومگر جب تک مطلوبہ قابلیت نہیں ہوگی تب تک اس کو کوئی قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا۔ اسی طرح امامت کے لیے امام کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود معیار مقرر کردیا ہے۔ ابومسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”لوگوں کی امامت کا حق دار وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب کا زیادہ حافظ ہو۔ اگر لوگ قرآن کے حفظ میں برابر ہوں تو (وہ شخص امامت کرائے) جو سب سے زیادہ سنت کو جاننے والا ہے۔ اگر سنت کے جاننے میں سب برابر ہوں تو وہ شخص امامت کرائے جو ہجرت میں اوّل ہے۔ اگر وہ ہجرت میں برابر ہوں تو وہ (شخص امامت کرائے) جو عمر میں بڑا ہے۔ اور کوئی شخص کسی شخص کے مصلی امامت پر نہ کھڑا ہو۔ اور اس کی عزت کے مقام پر اُس کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔“

(صحيح مسلم مع شرح نو وي: ١/ ٢٣٠)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلے کی طرف (دیوار پر) بلغم (رینٹ) دیکھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرا اور یہ ناگواری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر دکھائی دینے لگی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور خود اُسے کھرچ ڈالا اور فرمایا کہ جب کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے ربّ کے ساتھ سرگوشی کرتا ہے یا یوں فرمایا کہ اس کا ربّ اس کے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے، اس لیے کوئی شخص (نماز میں اپنے) قبلے کی طرف نہ تھوکے۔ (صحيح بخاري: ١/ ٤٠٥)

یہ حکم نبوی ہے کہ کوئی آدمی قبلے کی طرف نہ تھوکے، اب دوسری حدیث نبوی پر غور فرمائیں:

سائب بن خلاد بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے اپنی قوم کی امامت کرائی اور قبلے کی طرف تھوکا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو کہہ دیا کہ اب وہ تمھاری امامت نہ کرائے۔ اس کے بعد اس نے پھر امامت کرانے کا ارادہ کیا تو لوگوں نے اس کو منع کردیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا حکم فرمایا ہے۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں، میں نے منع کیا ہے۔“ راوی کہتا ہے: مجھے گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تُو نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی ہے۔

(صحيح أبوداود، رقم الحديث: ٤٨١)

قبلے کی جانب تھوکنا بہ ظاہر معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن چونکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے منع فرمانے کے بعد اُس امام نے یہ حرکت کی ہے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں وہ آدمی امامت کے لیے نااہل ہوگیا۔ اس کا یہ عمل ایسا قابلِ مواخذہ ہے کہ اسے فوری طور

پر اِمامت سے معزول کر دیا گیا۔مگر آج ایک ایسی سنت رسول ﷺ کو پامال کیا جا رہا ہے جس کی بڑی تاکید احادیث میں وارد ہوئی ہے:

((خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب .)) (صحيح بخاري، رقم الحديث : ٥٨٩٢)

''تم مشرکین کے خلاف کرو، داڑھی چھوڑ دو اور مونچھیں کترواؤ۔''

داڑھی منڈے کی طرف رسولِ اکرم ﷺ تو دیکھنا بھی پسند نہ فرماتے۔فرمایئے قیامت کے روز کیا حال ہوگا اس داڑھی کٹے اور داڑھی منڈے امام کا جس کو دیکھنا بھی رسول اللہ ﷺ پسند نہیں فرمائیں گے۔

ایک دفعہ کسریٰ فارس کے دو نمائندے رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے:

"وقد حلقا لحاهما واعفيا شواربهما ، فكره النظر إليهما وقال: ((ويلكما، من أمركما بهذا؟)) قالا: أمرنا ربنا يعنيان كسرىٰ ، فقال رسول الله ﷺ: ((ولكن ربي أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي .))

(البداية والنهاية: ٤/ ٢٧٠)

''ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، پس آپ ﷺ نے ان کی طرف دیکھنے سے نفرت کی اور فرمایا: تمھارے لیے ہلاکت ہو، تمھیں کس نے اس کا حکم دیا ہے؟ کہنے لگے: ہمارے ربّ نے ہمیں حکم دیا، یعنی کسریٰ نے۔آپ ﷺ نے فرمایا: لیکن مجھے تو میرے ربّ نے حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھاؤں اور مونچھوں کو کٹاؤں۔''

اب بطور فیشن لوگوں کی دیکھا دیکھی سنت سے انحراف کرتے ہوئے کچھ پڑھے لکھے لوگ زینت منبر ومحراب بنے ہوئے ہیں۔ فرمایئے اگر کہیں اس دور میں ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں تو پھر ان علماء وخطباء کے لیے کیا حکم صادر فرمائیں گے۔فافهموا وتدبروا

شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال: داڑھی منڈوانے والے امام کے پیچھے نماز پنجگانہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: داڑھی منڈوانے والے مخالفِ سنت شخص کو امام مقرر نہیں کرنا چاہیے لقوله عليه السلام: ((اجعلوا أئمتكم خياركم .)) ''اپنے بہترین لوگوں کو امام بناؤ۔'' اگر پڑھا رہا ہو تو اقتدا جائز ہے بحکم ﴿واركعوا مع الراكعين﴾

(فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۵۳۳)

امام کا مقام ومرتبہ:

امام جب تک مسجد میں نہ آئے تب تک اقامت نہ کہی جائے اور کسی مقتدی کو کھڑے ہونے کی اجازت بھی نہیں ہے حتی کہ مؤذن جب امام کو دیکھ لے تو اقامت کہے۔مگر مقتدی پھر بھی کھڑے نہ ہوں یہاں تک کہ امام کو دیکھ لیں۔حدیث رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو اُس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو۔''

(صحيح بخاري، رقم الحديث : ٦٣٧)

امام بخاری نے باب کی حدیث لا کر یہ اشارہ کیا ہے کہ جب امام مسجد میں نہ ہو تو مقتدیوں کو چاہیے کہ بیٹھے رہیں اور جب امام کو دیکھ لیں تب نماز کے لیے کھڑے ہوں۔(مولانا داود راز رحمہ اللہ)

ایک قدم آگے:

امام صاحب مسجد میں تشریف لے آئے، اقامت کہہ دی گئی، صفیں درست ہو گئیں، اچانک امام کو کوئی بات یاد آ گئی یا کوئی ملنے والا آدمی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔امام صاحب مقتدیوں کو فرماتے ہیں کہ اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو یہاں تک کہ میں اپنی ضرورت سے

فارغ ہوکر آ جاؤں۔ تصور کیجیے ایسے امام کو مقتدیوں کی طرف سے کن کن ملفوظات کا سامنا کرنا ہوگا اور انتظامیہ مسجد ہذا کا ردّ عمل کیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے یہ امام صاحب آئندہ اس مسجد میں نماز پڑھانے کا شرف کبھی حاصل نہ کرسکیں۔ اب امام الانبیاء ﷺ کی امامت دیکھیے۔

محدث امت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نماز کے لیے اقامت کہی جا چکی تھی اور لوگوں نے صفیں سیدھی کرلی تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آگے بڑھے لیکن آپ ﷺ حالت جنابت میں تھے (مگر پہلے خیال نہ رہا)، اس لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ غسل کیے ہوئے تھے اور سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٤٠)

امام بخاری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اگر ہم میں سے کسی کو ایسا اتفاق ہو تو وہ کیا کرے؟ انھوں نے فرمایا کہ جیسا آپ ﷺ نے کیا ویسا ہی کرے۔ لوگوں نے کہا: مقتدی امام کا انتظار کھڑے رہ کر کرتے رہیں یا بیٹھ جائیں؟ امام صاحب نے فرمایا: اگر تکبیر تحریمہ ہوچکی ہے تو کھڑے کھڑے انتظار کریں، ورنہ بیٹھ جانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ (فتح الباري: ٢/ ١٢٢)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جیسے ہی اقامت ختم ہو، امام صاحب تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کردیں، اقامت وتکبیر کے درمیان وقفہ نہ ہونا چاہیے جب کہ خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نماز کے لیے اقامت ہوچکی تھی اور نبی کریم ﷺ کسی شخص سے مسجد کے ایک گوشے میں چپکے چپکے کان میں باتیں کر رہے تھے، پھر آپ ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے تو لوگ سو رہے تھے۔ (سونے سے مراد یہاں اونگھنا ہے۔)

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٤٢)

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ان شرعی سہولتوں کو بیان کرنا ہے جو روا رکھی گئی ہیں۔ اگر زندگی میں کہیں ایسا ہوجائے تو جائز ہے، حرج کوئی نہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جماعت کی موجودگی میں کسی فرد واحد سے سرگوشی کرنا درست ہے۔ اور تکبیر تحریمہ اور اقامت میں فاصلہ جائز ہے۔ آج کل بھی اگر امام کو اقامت کے بعد کوئی ضرورت درپیش آجائے تو وہ اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے۔ مقتدیوں کو چاہیے کہ امام کے واپس آنے تک امام کا انتظار کریں، باتیں نہ بنائیں۔

(حاشیہ نصرۃ الباری از امام عبدالستار محدث دہلوی، ص: ۹۱، ۹۲)

امام کی اقتدا فرض ہے:

ہر مقتدی پر فرض ہے کہ نہ وہ امام سے پہلے سر اٹھائے، نہ رکوع کرے، نہ سجدہ کرے، نہ تکبیر کہے، نہ کھڑا ہو اور نہ سلام پھیرے۔ ان میں سے کوئی امر امام کے ساتھ بھی انجام دینا درست نہیں ہے۔ اگر کسی نے قصد وارادے کے ساتھ ایسا کرلیا تو اس کی نماز باطل ہوجائے گی۔ ان تمام امور کو امام کے پیچھے پیچھے سرانجام دینا چاہیے۔

(محلی ابن حزم اردو: ۳/ ۸۵)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیں خطاب فرمایا اور اپنے خطاب میں آپ ﷺ نے بہتری وبھلائی کی باتیں ارشاد فرمائیں اور ہمیں نماز کا طریقہ سکھایا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم نماز پڑھو تو صفیں درست کرلو، پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کے فرائض انجام دے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو اور جب امام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اس طرح کرنے سے اللہ تعالیٰ تمھاری دعا کو قبول فرمائے گا۔ جب امام تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ امام تم سے پہلے رکوع کرتا ہے اور تم سے پہلے ہی سر اٹھاتا ہے تو اس طرح حساب برابر ہوجاتا ہے۔ جب امام تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔ امام تم سے پہلے سجدہ کرتا ہے اور پہلے سر اٹھاتا ہے تو اس طرح حساب برابر ہوجاتا ہے (آخر حدیث تک۔) (صحیح مسلم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل:

جان نثارانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مسئلے میں عمل دیکھیے اوران کے جذبہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داد دیجیے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع الله لمن حمده کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہ جھکتا جب تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں نہ چلے جاتے، پھر ہم لوگ سجدے میں جاتے۔ (صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٩٠)

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب ہی یہ باندھا ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے کب سجدہ کرے؟

بخاری شریف میں یہی حدیث دوسرے مقام پر ہے اور اس میں الفاظ ہیں کہ ہم اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک دیکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں چلے گئے ہیں۔

امام کی مخالفت کی سزا:

بہ ظاہر امام ہم میں ایک معمولی فرد ہے بلکہ بعض اوقات ہم اپنی دولت وثروت، عہدہ وقار اور نخوت ورعونت کے پیشِ نظر اُس کو حقیر گردانتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس کی تھوڑی سی مخالفت پر کتنی بڑی سزا اور وعید فرماتے ہیں۔ امام المحد ثین امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح بخاری میں باب باندھتے ہیں:

"اثم من رفع رأسه قبل الإمام."

''جو آدمی امام سے پہلے (سجدہ یا رکوع سے) سر اُٹھائے اُس پر کس قدر گناہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا تم میں وہ شخص جو (رکوع یا سجدے میں) امام سے پہلے اپنا سر اُٹھا لیتا ہے، وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کے سر کی طرح بنا دے یا اس کی صورت کو گدھے کی سی صورت بنا دے۔''

(صحيح بخاري، رقم الحديث: ٦٩١)

بیان کردہ حدیثِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے تحت امام عبدالستار محدث دہلوی نصرۃ الباری ترجمہ بخاری کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

''مقتدی کو نماز میں امام سے پہلے کوئی فعل کرنا جائز نہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مہذب میں کہا ہے کہ ظاہر حدیث سے نکلتا ہے کہ امام سے پہلے سر اُٹھانا حرام ہے کیوں کہ اس میں مسخ کی وعید ہے اور یہ سخت عذاب ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی امام کی متابعت نہ کرے، رکوع وسجود میں اس سے پہلے جھک جائے یا سر اُٹھائے اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیوں کہ نہی مقتضی ہے فساد کی۔'' (٣/ ١٢٦)

مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کا موقف:

باجماعت نماز میں امام کی اقتدا ضروری ہے۔ تمام ارکان میں مقتدی کو امام کے تابع رہنا چاہیے۔ رکوع وسجود وغیرہ ارکان میں امام سے سبقت کرنا حرام ہے، اس سے نماز فاسد ہوجائے گی، گویا مقتدی امام ہوگیا۔ بلکہ امام کے ساتھ بھی ادا کرنا درست نہیں۔ ہر صورت میں امام کے بعد ہی ارکان کو ادا کرنا چاہیے۔ احادیث میں اس کی تائید بہ وضاحت مرقوم ہے، چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو آدمی نماز میں امام سے پہلے سر اُٹھاتا ہے، اسے بے خوف نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شکل گدھے کی سی بنا دے۔'' (صحيح مسلم مع شرح نووي: ١/ ١٨١)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا موقف:

جلیل القدر صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ارکانِ نماز کے ادا کرنے میں امام سے سبقت کررہا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"لا وحدك صليت ولا بإمامك اقتديت."

(صحيح مسلم)

''نہ تم نے اکیلے نماز پڑھی، نہ امام کی اقتدا کی۔''

بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو امام سے سبقت کرتے دیکھا تو فرمایا: نہ تم نے اکیلے نماز ادا کی، نہ امام کی اقتدا کی:

"ثم ضربه وأمره أن يعيد الصلاة."

''پھر اُسے مارا اور کہا: نماز لوٹاؤ۔''

(رسولِ اکرم ﷺ کی نماز از مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ، ص: ۳۸ تا ۴۰)

شیطان کا چیلہ:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ .... مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ [الأعراف: ۲۷]

''اے آدم کی اولاد! کہیں شیطان تمھیں فتنے میں نہ ڈال دے جس طرح اس نے تمھارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا۔ وہ دونوں سے ان کے لباس اتارتا تھا تاکہ دونوں کو ان کی شرمگاہیں دکھائے۔ بے شک وہ اور اس کا قبیلہ تمھیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھتے۔''

گویا خطرناک اتنا اور تمھارے ساتھ تعلق یہ کہ تمھارا کھلا دشمن تو اس سے خیر کی توقع عبث ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا فرمان ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ ان حالات میں نماز جیسے افضل ترین عمل میں بھی انسان کو نماز پڑھنے کے باوجود خائب وخاسر کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا، چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً بیان فرماتے ہیں کہ جو شخص امام سے پیشتر سر اُٹھاتا یا جھکاتا ہے تو اس کی پیشانی (ماتھا) شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ (فتح الباري: ۲/ ۱۸۳۔ موطأ إمام مالك: باب من رفع رأسه قبل الإمام)

گویا پیشانی کے بال اس کے ہاتھ میں ہیں، جس طرح چاہتا ہے ان کو کھینچتا اور اس سے حرام کام، یعنی امام سے آگے بڑھنے کے عمل کا ارتکاب کرواتا ہے۔

مشاہدہ:

ہمارے ہاں صورتِ حال یہ ہے کہ اِدھر امام کے منہ سے لفظ ''اللہ'' تکبیر کے لیے نکلا اور اُدھر مقتدی اس سے پہلے سجدے میں موجود ہوتے ہیں۔ امام ابھی تکبیر کہہ کر کھڑا نہیں ہوا کہ مقتدی حضرات اس سے پہلے کھڑے ہیں۔ مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ہمارے ملک میں یہ غلطی عام ہے، تمام طبقات یہ غلطی کرتے ہیں۔ اگر سبقت نہ کریں تو امام کے ساتھ ضرور ادا کرتے ہیں، حالانکہ یہ صاف حدیث کے خلاف ہے، خطرہ ہے کہ نماز ضائع ہو جائے۔ امام کی اطاعت کا شرعاً یہی مطلب ہے کہ یہ تمام ارکان وغیرہ امام پہلے ادا کرے۔ مقتدی اس وقت شروع کرے جب امام رکن میں مشغول ہوجائے۔ حدیث کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ امام سے سبقت درست ہے نہ امام کی معیت بلکہ امام جب رکن میں مشغول ہوجائے اس کے بعد مقتدی امام کے ساتھ شریک ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ارشاد کس قدر درست ہے کہ آپ سو مسجدوں میں نماز ادا فرمائیں، کسی میں بھی آنحضرت ﷺ کی سنت اور صحابہ کے طریق پر آپ کو نماز نہیں ملے گی۔''

(رسول اکرم کی نماز، ص: ۴۱، ۴۲)

عبرت ناک واقعہ:

دمشق کے ایک عالم کے پاس ایک شخص حدیث پڑھنے گیا۔ وہ عالم دین اس کو پردے میں بیٹھ کر حدیث پڑھاتا تھا۔ جب کافی عرصہ ہوگیا تو ایک دن اس نے پردہ ہٹا کر اپنا چہرہ دکھایا جو گدھے کا چہرہ تھا۔ اپنے شاگرد کو فرمانے لگے: اے میرے بیٹے! امام پر سبقت کرنے سے بچنا۔ اس سے پہلے کبھی رکوع وسجدے میں نہ جانا۔ میں نے اس حدیث کو محالات عقلیہ میں سمجھ کر ایک دن امام پر قصداً سبقت کرلی۔ اسی دن سے میرا چہرہ ایسا ہوگیا جیسا تُو دیکھ رہا ہے، یعنی گدھے جیسا۔ بس اب شرم کے مارے پردے میں بیٹھا رہتا ہوں، لوگوں کو منہ نہیں دکھاتا۔ (مرقاة شرح مشكاة: ۳/ ۹۸)

فاعتبروا يا أولى الألباب لعلكم تتقون

تحقیق وتنقید

تحفۂ معراج اور پرویزی فکر

رياض احمد عاقب اثری

ربّ ارض وسماء نے اپنے محبوب پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کو بہت سارے فضائل وخصائل سے نوازا۔ ان فضائل میں واقعہ معراج اپنی مثال آپ ہے۔ اس سفر معراج میں جہاں محسن کائنات ﷺ کا مقام ومرتبہ بلند ہوا، وہاں آپ کو ایک حسین وجمیل تحفۂ ربانی عنایت ہوا، وہ تحفہ نماز پنجگانہ کی فرضیت کا ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کو اس مبارک سفر میں تین چیزیں عطا ہوئیں:

۱: پانچ نمازوں سے نوازے گئے۔

۲: سورۂ بقرہ کی آخری آیات عنایت ہوئیں۔

۳: امت محمد ﷺ سے جو شخص شرک نہ کرے گا اس کے گناہ معاف کردیے جائیں گے۔ (صحيح مسلم، رقم الحديث: ۱۷۳ / ۲۷۹)

واقعۂ معراج کے ان مذکورہ تحائف میں حسین ترین تحفہ نماز ہے۔ نماز مخلوق کا اپنے دل، زبان اور ہاتھ سے اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار، اس رحمان ورحیم کی یاد، اس کے بے انتہا احسانات کا شکریہ، حسن ازل کی حمد وثنا اور اس کی یکتائی وبڑائی کا اقرار ہے۔ یہ نماز اپنے ربّ کے حضور میں جسم وجان کی بندگی، اپنے اندرونی احساسات کا عرضِ نیاز اور خالق ومخلوق کے درمیان تعلق کی گرہ اور وابستگی کا شیرازہ ہے۔

یہ نماز قرب الٰہی کا حصول اور محبوب ومرغوبِ رسول ﷺ ہے۔ یہ بےقرار روح کی تسکین، مضطرب دل کی تشفی اور مایوس انسان کی دوا ہے۔ یہ فطرت کی آواز، حساس واثر پذیر طبیعت کی اندرونی پکار ہے۔ یہ زندگی کا مقصد اور ہستی کا خلاصہ ہے۔ یہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور بے چین دلوں کا سکون ہے۔ یہ نماز دنیاوی واخروی فوائد وثمرات سے مالا مال ہے۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جو اس کا انکار کرکے کفار کی روش پر قائم ہیں۔ عصر حاضر میں مستشرقین کی معنوی ذریت اور پرویزی فکر کے حامل افراد ''صلاۃ'' کا نیا مفہوم نکال کر اِس کے حقیقی وجود کے انکاری ہیں۔ ہم سب سے پہلے لفظ صلاۃ کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کریں گے، پھر ان منکرین قرآن وحدیث کی ہذیان گوئی کا جائزہ لیتے ہیں۔

نماز کا لغوی معنی ومفہوم:

عربی زبان میں نماز کے لیے لفظ ''صلاۃ'' استعمال ہوا ہے جس کی تعریف میں علامہ راغب رقم طراز ہیں:

"الصلاة: قال كثير من أهل اللغة: هي الدعاء والتبريك والتمجيد، يقال: صليت عليه أي دعوت له وزكيت." (مفردات، ص: ۲۹۳)

''بہت سے اہل لغت نے فرمایا ہے کہ لفظ ''صلاۃ'' کے معنی دعا کرنے، برکت دینے اور اچھی تعریف کرنے کے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے: "صليت عليه" یعنی میں نے اس کے لیے دعا کی اور اسے پاک کیا۔''

علامہ جرجانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"الصلاة في اللغة: الدعاء." (التعريفات: ۹۶)

''لغت میں صلاۃ کا معنی دعا ہے۔''

علامہ مناوی رحمہ اللہ امام رازی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

"والأقرب أنها من الدعاء؛ إذ لا صلاة إلا وفيها الدعاء." (التوقيف على مهمات التعاريف: ۴۶۱)

''صلاۃ کا قریب ترین معنی دعا ہے کیوں کہ ہر نماز میں دعا ضرور ہوتی ہے۔''

علامہ ابن منظور افریقی یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"الصلاة: الدعاء والاستغفار."

(لسان العرب: ١٤/٤٦٥)

''صلاۃ کا معنی دعا اور استغفار ہے۔''

علامہ افریقی رحمہ اللہ امام ابن اثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"هي العبادة المخصوصة وأصلها الدعاء في اللغة، فسميت ببعض أجزائها."

(لسان العرب: ١٤/ ٤٦٦)

''صلاۃ ایک مخصوص عبادت کا نام ہے، لغت میں اس کی اصل دعا ہی ہے اور اسے اس کے بعض اجزاء سے موسوم کیا گیا ہے۔''

شرعی تعریف:

علامہ جرجانی لکھتے ہیں:

"وفي الشريعة: عبارة عن أركان مخصوصة وأذكار معلومة بشرائط محصورة في أوقات مقدرة." (التعريفات، ص: ٩٦)

''اصطلاحِ شریعت میں مخصوص ارکان اور معلوم اذکار کو اوقات مقررہ میں متعین شروط کے ذریعہ ادا کرنے کا نام ''صلاۃ'' ہے۔''

علامہ مناوی رحمہ اللہ ابن کمال رحمہ اللہ سے ''صلاۃ'' کی تعریف یوں ضبط تحریر کرتے ہیں:

"وقال ابن الكمال: أصلها الدعاء؛ سميت به هذه العبادة التي هي أفعال وأقوال مفتتحة بتكبير مختتمة بتسليم."

(التوقيف على مهمات التعاريف، ص: ٤٦١)

ابن کمال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''(صلاۃ) کی اصل دعا ہے۔ اس عبادت کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں ایسے افعال واقوال ہوتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتے ہیں اور سلام کے ساتھ ختم ہوتے ہیں۔''

صاحب قاموس رقم طراز ہیں:

''صلاۃ ایسی معروف عبادت کا نام ہے کہ جس میں رکوع وسجود ہوتے ہیں، جن کی ابتدا تکبیر کے ساتھ ہوتی ہے اور اختتام سلام کے ساتھ ہوتا ہے۔'' (القاموس المحيط: ١١٧٣)

مندرجہ بالا لغوی وشرعی تعریفات سے واضح ہوا کہ نماز کے لیے اصل عربی لفظ ''صلاۃ'' ہے۔ ''صلاۃ'' کے عربی زبان میں معنی دعا کے ہیں۔ اس لیے نماز کی لفظی حقیقت اللہ ربّ العزت سے درخواست اور التجا ہے اور اس کی معنوی حقیقت بھی یہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز کی یہی تشریح فرمائی ہے جیسا کہ سیّدنا معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی اور قوم میں سے ایک آدمی نے چھینک ماری تو میں نے کہا: "يرحمك الله" ''اللہ تم پر رحم فرمائے۔''

اس پر لوگوں نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا تو میں نے کہا: ''افسوس! تمھیں کیا ہوا کہ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہو؟ میرے کہنے پر لوگوں نے اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر مارنے شروع کردیے، تب مجھے معلوم ہوا کہ یہ مجھے خاموش کرا رہے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے نماز مکمل فرمالی، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! آپ ﷺ نے مجھے مارا نہ ڈانٹا، نہ سخت سست کہا بلکہ یوں فرمایا:

((إن هذه الصلاة لا يحل فيها شيء من كلام الناس، هذا إنما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن." (صحيح مسلم، رقم الحديث: ٥٣٧، أبوداود، رقم الحديث: ٩٣٠)

''یقیناً یہ نماز ہے، اس میں لوگوں کی عام گفتگو حلال نہیں ہے، اس میں تسبیح ہوتی ہے، تکبیر ہوتی ہے اور قرآن مقدس

پڑھا جاتا ہے۔''

اس حدیث نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم میں ''صلاۃ'' کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے کہ یہ ایک مخصوص عبادت کا نام ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، ذکر الٰہی، تسبیحات وتکبیرات اور تلاوتِ قرآن کے ساتھ ساتھ رب ذوالجلال والاکرام سے بندہ اپنے لیے دعائیں مانگتا ہے اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرتا ہے۔ بلکہ ایک حدیث رسول ﷺ میں یوں آیا ہے:

((الدعاء هو العبادة .)) (أبوداود، رقم الحديث: ١٤٧٩، ترمذي، رقم الحديث: ٣٣٧٢، ابن ماجه، رقم الحديث: ٣٨٤٨ وسنده صحيح)

''دعا ہی عبادت ہے۔''

نماز میں بھی بندہ اپنے ربّ سے دعا والتجا کرتا ہے۔ اس عظیم معبود برحق کے سامنے سرنگوں ہوکر عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔ اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے بندۂ مومن سر بہ سجود ہوتا ہے۔ گویا نماز مجموعۂ دعا ہے۔

نماز کا جو مفہوم ہم نے اوپر نقل کیا ہے کہ نماز ایک مخصوص عبادت کا نام ہے جس میں قیام، رکوع، قومہ، سجدہ، جلسۂ استراحت اور قعدہ وغیرہ ایسے افعال ہوتے ہیں جو تکبیر تحریمہ سے شروع ہوتے اور سلام کے ساتھ ختم ہوتے ہیں، یہی مفہوم شارع علیہ السلام کی طرف سے متعین کردہ ہے جسے محدثین کرام نے اپنی کتب میں محفوظ کرلیا ہے۔ یہی طریقۂ صلاۃ امت محمدیہ میں متواتر آرہا ہے، اس کا انکار گویا کہ اسلام کے بنیادی ستون کا انکار ہے۔

یہ فضول گوئی کرنا کہ نماز کا ذکر قرآنِ حکیم میں نہیں آیا، نماز فارسی زبان کا لفظ ہے اور یہ عجمی تصور ہے۔ نظامِ صلاۃ کی جگہ آج نماز نے لے لی ہے۔ جس طرح مجوسیوں کے ہاں پرستش کو نماز کہا جاتا ہے مسلمانوں میں بھی یہ لفظ نماز انھی سے درآمد شدہ ہے۔

اسی طرح قرآنِ مقدس میں لفظ ''صلاۃ'' آیا ہے اور صلاۃ کا معنی ومفہوم نظامِ ربوبیت قائم کرنا ہے۔

یہ نظریۂ صلاۃ منکرین حدیث کے سرغنہ غلام احمد پرویز اور اس کے متبعین کا ایجاد کردہ ہے جو سرتاپا باطل ہے۔ عصر حاضر کے بعض متجددین، ملحدین اور بے دین حضرات نماز کے منکر ہیں۔ ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کیا ''صلاۃ'' کا معنی نظام ربوبیت قرآنی لفظ ہے؟ کیا قرونِ فاضلہ میں صلاۃ کا یہی مفہوم معتبر تھا؟

کیا غلام احمد پرویز سے قبل کسی مفسر قرآن نے ''صلاۃ'' کا مفہوم یہی مراد لیا ہے جس پر پرویز گامزن ہیں؟

کیا صلاۃ کا جو مفہوم محمد رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین عظام، محدثین وفقہائے اسلام وغیرہم نے اختیار کیا وہ غلط ہے؟ (نعوذ باللہ) اور پرویزی نظریہ صلاۃ صحیح ہے؟

قرآن کے معانی بیان کرتے وقت کتنے سارے ایسے الفاظ ہیں جو فارسی زبان کے ہیں جن کو یہ پرویزی استعمال کرتے ہیں، کیا یہ عجمی تفسیر معتبر ہے؟

مسلمانوں اور پارسیوں کے طریقۂ عبادت میں آسمان وزمین کا فرق ہے ان عقل کے پیدل حضرات سے کوئی پوچھے کیا پارسی اسی طرح نماز کا آغاز کرتے ہیں جس طرح مسلمان نماز کا آغاز تکبیر تحریمہ سے کرتے ہیں؟ پھر کیا مجوسی حضرات رکوع وسجود کرتے، امام مقرر کرتے اور نماز کو سلام کے ساتھ ختم کرتے ہیں جس طرح مسلمان کرتے ہیں؟ کیا پارسی بھی نماز میں کچھ پڑھتے ہیں جو اہل ایمان پڑھتے ہیں؟ مسلمان اللہ وحدہ لاشریک کی ذات وصفات، نظریہ توحید کے قائل اور اللہ جل جلالہ ہی کی عبادت کرتے ہیں، کیا مجوسی اللہ تعالیٰ کو پوجتے ہیں یا آگ کو؟

ان کے ہاں تصورِ الٰہ کیا ہے، ایک یا دو؟ ان تمام اختلافات کے باوجود یہ کس قدر بے شرمی اور ڈھٹائی ہے کہ پرویزی مسلمانوں کی نماز اور پارسیوں کی نماز کو ایک ہی چیز گردانتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ نماز کا نام مشترک ہے۔ یہ تصورِ صلاۃ ان ملحدین کی محض کج روی، اسلاف کے راہ سے بے روی اختیار کرنا اور اسلام کے اس بنیادی رکن کو منہدم کرنے کی ناکام کوشش ہے جو تواتر سے نسل درنسل منتقل

ہو رہا ہے۔

ایسے حضرات مستشرقین کی معنوی ذریت میں سے ہیں جنھوں نے حدیث وسنت کی حجیت کو شکوک وشبہات کے لبادے میں پیش کیا ہے۔ ان کے یہ مشرقی مقلدین نے تجدد پسندی کے ذوق وشوق میں انھی کی نقالی کی ہے۔

کبھی یہ حضرات تدوین حدیث کے عمل کو دوسری اور تیسری صدی کی کوشش قرار دے کر حدیث کے تسلسل کو ختم کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کبھی یہ محدثین کرام کی مساعی جمیلہ اور خدمات جلیلہ کو عجمی سازش باور کروانے اور راوی کے لیے عجمی وفارسی ہونا ہی موجب طعن وتشنیع قرار دیتے ہیں۔

کبھی موضوع اور من گھڑت روایات کے سہارے صحیح احادیث کو بھی مجروح قرار دینے اور ذخیرۂ احادیث سے لوگوں کو بدگمان کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔

کبھی ارکانِ اسلام کی اپنی طرف سے تشریحات وتاویلات کر کے اپنے نظریات باطلہ قائم کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو روح اسلام کی حقیقت سے دور رکھا جائے۔ جس طرح ان بدبختوں نے ''صلاۃ'' کا معنی نظام ربوبیت لے کر اُس کی اصل روح ختم کرنے کی سازش کی ہے اور سیکولر، سہل پسند وتجدد پسند طبقے کے لیے نئی راہیں ہموار کی ہیں۔ دراصل یہ اپنے آقاؤں (مستشرقین وملحدین) کو خوش کرنے کے لیے تمام تحقیقات سیئہ انجام دیتے ہیں جن کا مقصد وحید یہی ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کر کے بدعمل اور اپنا ہم نوا بنایا جائے۔ قرآنی خدمت کے نام سے ان منکرین حدیث کی تمام مساعی دراصل انکارِ رسالت کی راہیں ہموار کرتی ہیں۔

یہ کیا طرفۂ تماشا ہے کہ ایک چودھویں صدی کے بے دین مسٹر کی تفسیر قرآن وقرآنی الفاظ کی تشریح تو معتبر ٹھہرے لیکن نبی آخر الزمان محمد عربی ﷺ کی عملی تفسیر غیر معتبر اور مشکوک قرار دی جائے۔ تلك إذا قسمة ضيزى .

غرض نمازِ نبوی کے بارے پرویزی نکتہ نظر غلط اور باطل ہے۔ یہ لوگوں کو بدعمل و بے دین بنانے کی باطل تحریک ہے جس کا جتنا محاسبہ ومحاکمہ کیا جائے اتنا ہی کم ہے۔ اصل طریقہ نماز وہی معتبر وقابل عمل ہے جو ہمارے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنے ارشد تلامذہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھلایا اور صحابہ ایسے نفوس قدسیہ سے یہ طریقہ نماز تابعین عظام نے اخذ کیا اور تابعین سے یہ طریقہ تبع تابعین نے حاصل کیا اور پھر یہ سلسلہ آگے ہم تک تسلسل کے ساتھ پہنچا ہے۔ اب اس تواتر عملی کا انکار گویا کہ دین اسلام کے بنیادی رکن کا انکار ہے جو منکر حدیث ومنکر صلاۃ کو کفر تک پہنچاتا ہے۔

آخر میں ان منکرین حدیث کو دعوتِ فکر ہے کہ وہ روش باطل چھوڑ کر قافلۂ محمد ﷺ میں شامل ہو جائیں اور اس امت میں مزید بدعملی نہ پھیلائیں۔

اللہ تعالیٰ صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ طریقہ نبوی اپنانے اور اسے نافذ کرنے کی ہمت عطا فرمائے اور کج روی، گم راہی اور بدعات وخرافات سے کوسوں دور رکھے، آمین۔

پیر سیّد محمد قاسم شاہ راشدی کے لیے دعائے صحت

حضرت مولانا پیر سیّد محبّ اللہ شاہ صاحب راشدی رحمہ اللہ کے فرزند دلبند پیر محمد قاسم شاہ صاحب راشدی حفظہ اللہ گزشتہ دنوں شدید علیل ہوگئے ہیں۔ انھیں شوگر لیول میں کمی کے بعد دائیں جانب فالج کا عارضہ ہوا ہے۔ ان دنوں راجپوتانہ ہسپتال حیدرآباد میں زیر علاج ہیں۔ احباب ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

سیرت وسوانح

قسط نمبر ③

استاذ الاساتذہ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن بن یاسین ازہری

حیات وخدمات

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بن عبدالجبار الفریوائی (استاذ حديث جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية، رياض)

جامعہ سلفیہ کے لیے اندر اور باہر سفارت کاری:

جامعہ کی فلاح و بہبود کے لیے ازہری صاحب نے ناظم صاحب کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں سعودی عرب کا پہلا سفر کیا جس میں دارالافتاء کے زیر انتظام دونوں آدمیوں نے حج کیا۔ ساتھ میں مولانا مختار احمد ندوی بھی تھے۔ اس سال میں نے بھی حج کی سعادت حاصل کی تھی اور نحر اور رمیِ جمرات میں ازہری صاحب کے ساتھ تھا۔

اس کے بعد کئی بار ازہری صاحب نے ناظم صاحب کے ساتھ اور کئی بار مولانا عبدالقدوس صاحب نائب ناظم جامعہ سلفیہ اور شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید کے ساتھ باہر کا سفر کیا۔

سفر کو حدیث میں جہنم کا ٹکڑا کہا گیا ہے۔ اس آسانی اور سہولت کے زمانے میں بھی بہ حالت سفر آدمی کو طرح طرح کی پریشانیوں اور زحمتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ ناگفتہ بہ حالات میں بھی یہ ذاری نبھائی جاتی رہی۔ ان اسفار میں مدینہ یونیورسٹی، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ (ریاض)، جامعہ ام القریٰ (مکہ مکرمہ)، جامعہ ملک سعود (ریاض)، شئون الحرمین (مکہ)، دار الافتاء (ریاض)، وزارۃ الاوقاف الاسلامیہ (ریاض)، ندوۃ الشباب الاسلامی (ریاض) اور رابطہ العالم الاسلامی (مکہ) وغیرہ کے ذمہ داروں سے ملاقاتیں ہوتیں، اور دوسرے مختلف شعبہ جات کے لوگوں سے رابطہ ہوتا۔

جامعہ سلفیہ بنارس سے آنے والے طلباء اور دوسرے سلفی اخوان جو جامعہ اسلامیہ میں زیر تعلیم تھے جامعہ کے وفد آنے پر اپنے معزز مہمانوں سے ملتے، اجتماعی دعوتوں کا انتظام ہوتا، مختلف انداز کے مشورے ہوتے، جامعہ کی ترقی، مسلک کی اشاعت، جمعیت کے کاز کو مضبوط کرنے، جامعہ کے زیر انتظام چھپنے والی کتابوں اور مجلّات کی اشاعت اور اہل علم تک پہنچانے کے مسائل زیر غور آئے۔ سعودی عرب کی یونیورسٹیوں، بالخصوص جامعہ اسلامیہ، میں داخلے کے مسائل بھی زیرِ بحث آئے۔

مدینہ منورہ میں اقامت کے دوران جامعہ کے وفود میں آئے ہوئے مہمانوں کی خدمت ناچیز کے لیے ایک خوش گوار یاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ تقریباً سبھی ذمہ داروں نے گھر آکر ہماری عزت افزائی کی اور اکثر وبیشتر ضیافت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا۔ ۱۴۰۸ھ میں میں جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لیے گیا اور چار سال تک یہ خدمت انجام دی۔ ۱۴۰۸ھ کے ماہِ ربیع الاوّل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ پر کانفرنس ہوئی جس میں عزت مآب ڈاکٹر عبداللہ ترکی (چانسلر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ، ریاض) تشریف لے آئے۔ اس کے فوراً بعد ناظم صاحب اور ازہری صاحب کی معیت میں مجھے پھر سعودی عرب آنے کی سعادت ملی اور وفد کے ان معزز بزرگوں کی خدمت کا موقع ملا۔ ان اسفار میں میں نے دیکھا کہ ازہری صاحب ہمیشہ کچھ نہ کچھ مطالعہ اور لکھنے اور ترجمے کا کام کرتے رہتے تھے۔

مختلف مجالس میں جامعہ کے تعارف کے لیے مجھے آگے بڑھاتے تھے۔ مجھے ان کی موجودگی میں کچھ کہتے ہوئے دقت محسوس ہوتی تھی تو ہمت افزائی کرتے تھے۔ اہل علم دوستوں کی مجالس میں گفتگو کے وقت کھل کر باتیں ہوتیں۔ ازہری صاحب اپنے اخلاق، برتاؤ اور طرز تکلم سے سامعین کی نظروں میں اپنا وقار قائم کر لیتے۔ ناظم صاحب کی

مجرد حاضری، سکوت اور مسکراہٹ اور کبھی کبھی حاضر جوابی ان کے وقار میں مزید اضافہ کرجاتی۔

جامعہ اسلامیہ میں حصولِ علم کی لمبی مدت اور ایم اے اور پی ایچ ڈی کے ایام میں میری تحقیق سے کئی کتابوں کی اشاعت سے ایک محدود پڑھے لکھے حلقے میں اپنا تعارف سب سے بے حجابی اور شناخت اور الفت ومحبت کے ماحول کو بنانے کا کام دیتا تھا۔ اور اس طرح سے مل ملا کر جامعہ اور جماعت کے تعارف کی سبیل نکل آتی تھی۔ جامعہ سلفیہ میں جامعہ اسلامیہ سے مبعوث اساتذہ کرام: شیخ ربیع ہادی المدخلی، شیخ احمد ہادی الطالبی، شیخ علی مشرف العمری، شیخ عبداللہ الغنیمان اور شیخ عبداللہ المحیسن وغیرہم کے علاوہ جامعہ اسلامیہ کے ذمہ داران اور اساتذہ کرام سے کافی گہرے روابط تھے جن میں شیخ عبدالمحسن العباد، شیخ عمر فلاتہ، شیخ حماد بن محمد الانصاری، ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی، شیخ عوض الشہری وغیرہ اساتذہ اور ذمہ داران کے نام نمایاں ہیں، جن کے یہاں آنا جانا اور ان کی زیارت ان اسفار میں ضروری رہا کرتی تھی۔

اور مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے مشائخ کے علاوہ ان اسفار میں جن چند احباب سے گہرے روابط ہوئے اور وہ ازہری صاحب کو برابر یاد رکھتے تھے، یہ ہیں: عبداللہ الشویعر اور محمد احمد۔ یہ دونوں صالح نوجوان ندوۃ الشباب الاسلامی (ریاض) کے اسٹیج سے سعودی عرب آنے والے علماء اور دعاۃ کی خدمت کا کام تطوعاً وفی سبیل اللہ کرتے۔ ان دونوں نے ہماری دعوت پر جامعہ سلفیہ کی زیارت بھی کی اور سالہا سال جامعہ کی خدمت کے لیے ہمہ تن کوشاں رہے۔

ڈاکٹر عبدالحلیم العویس جامعۃ الامام کے کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ کے استاد، مشہور قلم کار، جامعہ سلفیہ میں استاد زائر کی حیثیت سے تشریف لے گئے اور انھی کے ذریعے سے ندوۃ الشباب ریاض سے روابط پیدا ہوئے۔ ندوہ کے مہمان خانے میں ٹھہرنے کے انتظامات ہوتے رہے۔ ازہری صاحب سے ان کی گہری دوستی تھی، ازہری صاحب نے اس تعلق خاطر کی بنا پر موصوف کی بعض کتابوں کا خود اردو میں ترجمہ کیا اور سیرت ابن حزم کا ترجمہ مولانا محمد رئیس ندوی سے کرایا۔ یہ ساری کتابیں جامعہ سے چھپیں۔ اسی سلسلے سے مولانا محمد تقی امینی ناظم دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی بعض کتابیں بھی ڈاکٹر عبدالحلیم عویس صاحب نے شائع کیں جن کو ڈاکٹر صاحب نے عربی میں منتقل کیا تھا۔

شیخ محمد ابراہیم بن قعود: موصوف دارالافتا میں سعودی عرب سے باہر کام کرنے والے دعاۃ کے ادارہ کے مدیر تھے اور ازہری صاحب سے بڑا تعلق خاطر رکھتے تھے۔

عصر حاضر کے عظیم سیاح، مشہور مؤلف، ادیب، داعی، منتظم، علامہ شیخ محمد ناصر العبودی سعودی عرب کے ادبی اور دینی میدان کی اہم شخصیت ہیں۔ وہ پہلے جامعہ اسلامیہ کے جنرل سیکریٹری تھے، بعد میں دارالافتا میں قائم مجلس الدعوۃ الاسلامیہ کے جنرل سیکریٹری بنے۔ اس وقت وہ رابطہ العالم الاسلامی کے نائب جنرل سیکریٹری ہیں۔ ایک سے زائد بار ہندوستان کا سفر کیا۔ ان سے ازہری صاحب کے تعلقات بڑے گہرے تھے۔ بنارس کے ایک اجلاس میں جو غالباً ۱۴۰۰ھ کو جو جامعہ سلفیہ میں جہیمان کے خروج مہدی کے فتنے سے واقع حادثۂ حرم کے فوراً بعد ہوا تھا، عبودی صاحب بنارس تشریف لائے۔ ازہری صاحب نے مجھ سے کہا کہ چلو عبودی صاحب سے تمھارا تعارف کرا دوں، چنانچہ میں آپ کی معیت میں ہوٹل گیا اور آپ نے عبودی صاحب کے سامنے میرے تعارف میں اچھے کلمات کہے جس کا اثر میں نے بعد میں عبودی صاحب سے ملاقاتوں میں محسوس کیا۔

ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی: ڈاکٹر عبداللہ ترکی دعوت وتعلیم کے میدان کی بہت مشہور شخصیت ہیں۔ ایک لمبی مدت سے اہم تعلیمی اور دعوتی مناصب پر رہ کر متنوع خدمات اب تک انجام دے رہے ہیں۔ موصوف ازہری صاحب سے بہت گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ۱۴۱۲ھ میں جب میں جامعۃ الامام میں تدریسی فرائض انجام دینے کے لیے آیا تو ہمیشہ ملاقات میں آپ "الأخ مـقـتـدى" کہہ کر ان کی برابر

خیریت پوچھتے رہے۔

سفر وحضر کے مشاہدات:

استاد محترم رحمہ اللہ سے ۱۹۶۸ء سے تا وفات میرا گہرا ربط وتعلق رہا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں عالمیت اور فضیلت کے دوران چھ سال اور فراغت کے بعد ایک سال جامعہ سلفیہ کے ادارۃ البحوث میں کام کرتے ہوئے، یعنی سات سال تک مدینہ منورہ آنے سے پہلے، پھر بارہ سال کے بعد چار سالہ تدریسی مدت یعنی گیارہ سال مجھے جامعہ سلفیہ میں رہنے کا موقع ملا جس میں اور اساتذہ کی بہ نسبت مجھے ازہری صاحب کے ساتھ رہنے اور کام کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ جس میں یہ بات ملاحظہ میں آئی کہ ازہری صاحب اپنے کاموں اور اوقات کی پلاننگ بڑے اچھے انداز سے کرتے تھے۔ اور ان کا وقت ہمیشہ لکھنے پڑھنے میں گزرتا تھا یا ادارۃ البحوث کی کتابوں، عربی مجلّہ جامعہ سلفیہ سے متعلق کاموں میں صرف ہوتا۔ تمام ذمہ داریوں کو نبھاتے ہوئے ہمیشہ ہلکے پھلکے کام کرتے رہتے، یعنی کسی کتاب یا مضمون کا عربی سے اردو یا اردو سے عربی میں ترجمہ اور بہت سارے لوگوں کے مطالبات کی تکمیل بھی زندگی کا ایک مشغلہ تھا۔ بازار بہت کم جاتے، بینک کا کام ملازمین کے ذریعہ کرواتے۔

جمعہ پابندی سے محلّہ نمیا کی مسجد اہل حدیث میں پڑھاتے تھے۔ کبھی مسجد باگڑ بلی میں بھی پڑھاتے تھے اور نمیا کی مسجد کے تعلق سے وہاں کے چند احباب کے ساتھ دوستی بھی نبھاتے اور ان کے ساتھ ہفتہ عشرہ میں ان کے گھروں میں یا جامعہ میں بھی خور ونوش کی مجالس قائم ہوتیں۔ کبھی مئو کے دوستوں میں سے کوئی آجاتا تو انگشتی بھی شوق سے پکاتے اور کھاتے کھلاتے۔ اس درمیان علی گڑھ کی مدت اقامت میں میرا ایک بار علی گڑھ بھی جانا ہوا، ان کی وہاں کی زندگی بھی بڑی مشغولیت اور جہاد کی تھی۔ اپنا ایم فل سے پی ایچ ڈی تک کے اعمال کی ترتیب وتنسیق وہ بھی ہوسٹل سے شعبہ عربی اور اس کی لائبریری اور یونیورسٹی کی سنٹرل مولانا ابوالکلام آزاد کا چکر لگا کر، پھر ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو (صدر شعبہ عربی)، جو اُن کے مقالے کے سپروائزر بھی تھے، کے ساتھ علمی تعاون بھی ایک مصروفیت کا کام تھا۔ نیز متعدد اساتذہ اور طلباء کے مقالات ومؤلفات کی تصحیح وتنقیح یا تعریب، بالخصوص ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے پورے اردو کام کو عربی میں منتقل کرنا وغیرہ وغیرہ۔

علی گڑھ کے اساتذہ کے بہت سارے مقالات اس زمانے میں بھی اور بعد میں بھی صوت الامہ میں شائع ہوتے رہے۔ نیز ڈاکٹر مختار الدین کی نگرانی میں مجلّہ المجمع العلمی کے اصل روح رواں ازہری صاحب ہی تھے اور اسی تعلق سے اس کی اشاعت جامعہ سلفیہ کے پریس میں ہوئی۔

میری جامعہ اسلامیہ (مدینہ منورہ) میں طالب علمی کے زمانے میں جب ازہری صاحب سعودی عرب آتے تو وہ جامعہ سلفیہ کے کام سے یا ''توعیہ اسلامیہ'' یا کسی کانفرنس میں شرکت کے لیے آتے۔ بعد میں ۱۴۰۸ھ تا ۱۴۱۱ھ میں بھی ان کے ساتھ سفر میں رہا۔

سفر میں فرض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ لکھنے پڑھنے کے اپنے ذوق کی تکمیل کی فکر بھی برابر انھیں دامن گیر رہتی تھی، اور نئی کتابوں، مجلّات اور اخبارات کا سرسری ہی صحیح، مطالعہ ضرور کرتے، نوٹ لکھتے، اور ساتھ میں موجود ترجمہ وتعریب یا مضمون نویسی کا کام بھی برابر کرتے رہتے تھے۔

سفر میں پیش آنے والے درج ذیل واقعات کا ذکر ازہری صاحب کی زندگی اور طبیعت ومزاج کے جاننے کے لیے مفید ہوں گے:

۱: ۱۴۰۵ھ کی بات ہے، جامعہ سلفیہ (بنارس) کے شیخ الجامعہ استاد محترم مولانا عبدالوحید رحمانی رحمہ اللہ ازہری صاحب کے رفیق سفر تھے۔ وہ شیخ احمد مجتبیٰ سلفی کو لے کر شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کے وظیفے کے سلسلے میں طائف تشریف لے گئے اور میں ان کے ساتھ جدہ آیا۔ جدہ میں مولانا ابوالاشبال احمد شاغف بہاری کے گھر میں قیام ہوا۔ ان کے ذریعہ بعض احباب سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گرمی کا موسم تھا، کمرے میں بھی سخت گرمی تھی، اس پر مستزاد مچھروں کی یلغار۔ بہرحال صبر وشکر کے

ساتھ یہ رات گزر گئی اور پھر مولانا ابوالاشبال کے نکتوں اور لطیفوں سے رات کی تلخی ختم ہوگئی اور زندگی کے ہنگاموں اور مسائل نے پرانی رات کونسیاً منسیاً کر دیا۔

۲: جامعہ کے وفود جب بھی خلیجی ممالک میں جاتے جامعہ کے تعارف سے متعلق پمفلٹ کے علاوہ جامعہ کی اردو، عربی، انگریزی، ہندی اور سبھی زبانوں کی مطبوعات اور عربی، اردو مجلّات ساتھ ہوتے۔ ایئر پورٹ پر مراقبۃ المطبوعات کے کارکنان ضابطے کی کارروائی میں جامعہ کی کتابیں رکھ لیتے اور ان کو واپس لانے میں کافی مشکلات کا سامنا ہوتا کیوں کہ یہ ادارہ دارالافتا کے تابع تھا اور بغیر تفتیش وتحقیق کے ان کا ملنا ایک مسئلہ ہوتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ساری مطبوعات اور مہر سب دارالافتاء کے لجنۃ مراقبۃ المطبوعات چلی گئیں اور کافی وقت گزرنے کے بعد بھی وہ واپس نہ ہوئیں۔ ان میں مہر بھی تھی۔ یہ تجویز آئی کہ یہاں پر ایک مہر بنوا لی جائے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک مہر بنوانے کی قیمت (۴۶) سعودی ریال ہے۔ جب اس کا ہندوستانی روپے میں ترجمہ ہوا تو رقم بڑی نظر آئی۔ ازہری صاحب نے کہا کہ میں بغیر مہر ہی کے کام چلا لوں گا۔ جامعہ جا کر اس کا حساب کیا دوں گا۔ بہر حال اس سال کتابیں واپس نہیں ہوئیں اور غالباً اسی سفر میں شیخ ابن باز رحمہ اللہ کی طرف محسنین کے نام خطوط ملنے میں بھی بڑی تاخیر ہوگئی جس کے بغیر کسی سے رابطہ بے نتیجہ تھا اور اس پر ایک ماہ گزر گیا۔ آپ اور شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید رحمہ اللہ مدینہ آ گئے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ دارالافتاء سے خطوط ملنے میں اتنی تاخیر ہوگئی تو میں نے شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے پرائیویٹ سیکریٹری شیخ ابراہیم بن عبدالرحمٰن الحصین رحمہ اللہ سے ان کے گھر میں جا کر ملاقات کی اور بتایا کہ ہمارے اساتذہ جامعہ سلفیہ سے آئے ہوئے ہیں اور ایک مہینا ہوگیا ہے۔ لیکن ابھی شیخ ابن باز رحمہ اللہ کے محسنین کے نام سفارشی خطوط نہیں ملے ہیں تو آپ نے تعجب کا اظہار کیا، اس لیے کہ آپ شیخ ابن باز کے گھر کے آفس کے ذمہ دار تھے اور دارالافتا میں شیخ کے آفس سیکریٹری دوسرے ہوا کرتے تھے، پھر یہ کہ یہ خطوط ادارۃ الدعوۃ فی الخارج کی طرف سے لکھ کر شیخ کے پاس بھیجے جاتے تھے اور یہ ایک ضابطے کی کارروائی ہوتی اور مجھے حکم دیا کہ تم ان مشائخ کو لے کر ریاض آؤ، چنانچہ میں وفد کے ساتھ ریاض گیا، صبح صبح آفس کھلتے ہیں، شیخ ابراہیم الحصین کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے انتہائی دل جمعی سے کئی گھنٹوں کی جدوجہد کے بعد نمازِ ظہر تک ہمارے مطلوبہ محسنین کے نام شیخ ابن باز کے خطوط تیار کروا کر ان پر شیخ صاحب کے دستخط کروا کر ہمیں دے دیے۔ اس پر سب سے زیادہ تعجب خود ادارۃ الدعوۃ فی الخارج کے ملازمین کو ہوا کہ اچانک یہ سب کیسے ہوگیا۔ ایک مہینے کے بعد الحمدللہ اب وفد اس لائق ہوگیا کہ وہ اپنا کام شروع کر دے۔ قارئین اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ازہری صاحب اور شیخ الجامعہ نے اس مدت انتظار کے لیے کتنا صبر کیا ہوگا۔

سفر میں کتابوں کے ساتھ ایئر پورٹ پر اس طرح کے برتاؤ کو دیکھتے ہوئے ازہری صاحب نے یہ حل نکالا کہ اب اکثر سفر میں ظہران ایئر پورٹ پر اترتے جہاں پر ان کے گہرے دوست مولانا محمد اویس ندوی رحمہ اللہ کے صاحب زادے شعیب بھائی ایئر پورٹ پر کتابوں کی نگرانی کے کام پر متعین تھے۔ شعیب بھائی اور اُن کی اہلیہ ذکیہ بھابھی دونوں ازہری صاحب سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے، اور اس تعلق خاطر سے ہم لوگوں کا رابطہ بھی شعیب بھائی سے بڑا گہرا رہا اور دمام اور خبر میں اسی رابطہ سے مزید تعلقات استوار ہوئے۔ بار بار ہوائی جہاز کا سفر ایک مسئلہ ہے لیکن جامعہ کے کام کے لیے یہ طریقہ بھی ازہری صاحب نے استعمال کیا۔ ۱۴۰۸ھ میں جب آپ ناظم صاحب کے ساتھ سعودی عرب آئے تو میں بھی ساتھ میں تھا، اور ظہران ایئر پورٹ پر جہاز سے نکلتے ہی شعیب بھائی نے ہمارا استقبال کیا اور ہمارا سامان جلد ہی گاڑی میں پہنچ گیا۔

۳: ایک بار کویت سے شیخ عبداللہ السبت حفظہ اللہ کا ٹیلی فون آیا کہ وہ

بمبئی کے فلاں ہوٹل میں آ رہے ہیں۔ ازہری صاحب وہاں جا کر ان سے ملاقات کریں، چنانچہ انھوں نے مجھے ساتھ لیا اور ہم دونوں بنارس سے ٹرین پر سفر کر کے بمبئی پہنچے۔ رات گزارنے کے لیے صابو صدیق اور بھنڈی بازار وغیرہ کے علاقے میں کئی جگہ کوشش کے باوجود مناسب رہائش کا انتظام نہ ہو سکا تو بہ درجہ مجبوری ایک مسلم مسافر خانے کی مسجد کے دروازے پر بمشکل ایک جگہ تھوڑی دیر لیٹنے کو ملی اور اذان فجر کے بعد وہ جگہ بھی جاتی رہی۔ فجر کے بعد ہم وہاں سے بستر باندھ کر ایک ہوٹل میں گئے۔ سامان رکھ کر فوراً سمندر کے کنارے ایک پانچ ستارہ ہوٹل کے لیے روانہ ہوئے جہاں شیخ عبداللہ السبت ناشتے پر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہوٹل پہنچ کر شیخ صاحب سے ملاقات ہوئی آپ سے بہت ساری باتیں ہوئیں جن میں ایک خاص موضوع یہ تھا: نصابِ تعلیم میں ایسی تبدیلی جس سے سلفی منہج کی تعلیم کا مناسب انتظام ہو جائے۔ عرب کے سلفی دوستوں کی یہ خواہش بڑی واضح انداز کی ہوتی ہے۔ ہندوستان کے حقیقی اور واقعی مسائل کی انھیں خبر ہی نہیں ہوتی۔ آدمی کو جب کسی ملک کی نہ تاریخ کا علم ہو اور نہ جغرافیے کا تو اس کو اپنی بات سمجھانا اور اس کی باتوں اور مشوروں کو سننا اور اس پر صبر کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ازہری صاحب ایسے موقع پر پوری دل جمعی سے سامع کی گفتگو سننے اور صبر کرنے کے عادی تھے اور بندہ اٹھک پٹھک اور نعم ولا والا مولوی، اور قدیما میں کہا گیا ہے کہ ملا آں باشد کہ چپ نہ شود۔ بالخصوص جب دلائل اپنی جانب قوی ہوں تو خاموش رہنے کا کیا مطلب؟

شیخ عبداللہ السبت حفظہ اللہ جب اپنی بات ختم کر چکے تو میں نے ان سے عرض کیا کہ کسی بھی نصابِ تعلیم کے بدلنے کے لیے مناسب کورس کی کتابوں کی فراہمی پہلی شرط ہے۔ لیکن بات یہیں نہیں ختم ہو جاتی، ہندوستان میں ایک عربی فارسی اور اردو کا نصاب تعلیم ہے جو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے شعبوں میں پڑھایا جاتا ہے اور ان کا انتظام حکومت کرتی ہے۔ دوسرا نصاب تعلیم جو درس نظامی کی نام سے معروف و مروّج ہے اور جس میں بعض اصلاحات بھی ہوئی ہیں، وہ آج کل کے عربی مدارس میں نافذ ہے۔ ان مدارس کی اکثریت سرکاری تعلیمی بورڈوں سے ملحق ہے جن کے اساتذہ کو بورڈ سرکاری طور پر تنخواہیں دیتا ہے۔ اب تو پنشن کا نظام بھی آ گیا ہے۔ طلباء باقاعدہ سالانہ عربی و فارسی میں مولوی عالم، فاضل دینیات و فاضل ادب منشی و منشی کامل و فاضل سب کا امتحان دیتے ہیں۔ یہ نظام یوپی اور بہار کے صوبوں میں نافذ ہے۔ ہندوستان کی علمی اور مذہبی فضا میں یہاں کی اکثریت کے عقائد اور فقہی مزاج سے کٹ کر کسی بھی نصابِ تعلیم کا نفاذ افادیت اور عدم افادیت سے قطع نظر مشکل کام ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ہندوستان میں موجود پرائیوٹ عربی مدارس کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد کی تنخواہیں حکومت دیتی ہے، حکومت کا اپنا ایک نصاب ہے جس کے مطابق امتحانات میں مدارس کے طلباء کا بیٹھنا ضروری ہے، اور ان ڈگریوں کی بنیاد پر فارغ التحصیل طلباء کو عربی مدارس میں سرکاری ملازمتیں بھی ملتی ہیں۔ انھیں یونیورسٹیوں میں اور طب اور دوسرے شعبوں میں داخلے ملتے ہیں۔ اس پابندی سے صرف چند ادارے باہر ہیں۔ اب ایسے حالات میں سلفی مدارس میں اپنا من پسند نصاب کس طرح نافذ کرنا ممکن ہے۔

شیخ موصوف کے لیے ہندوستان میں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم سے متعلق یہ معلومات ان کے اپنے بیان کے مطابق بالکل نئی تھیں۔ میں نے ان سے کہا: جناب والا! کیا آپ حضرات کی نگرانی میں چلنے والا کوئی ایسا ادارہ ہے جو اس طرح کے مسائل کی تنفیذ کے لیے کسی ادارے کو خود کفیل بنا سکے، طبعاً ایسا نہ ہے، اور نہ آئندہ اس کا کوئی امکان ہے، اور اگر اس طرح کے مسائل سے آپ پہلی بار مطلع ہو رہے ہیں، ۲۵ سال سے برصغیر کا دورہ کر کے آپ یہاں کیا کام کر رہے تھے۔

ناظم اعلیٰ رحمہ اللہ جو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے امیر تھے اور وہاں ایک کارکن کو مستعفی کرنے کے ردّ عمل پر ان کی طرف سے

جمعیت کے خلاف قانونی کارروائی سے مسئلہ سنگین ہوگیا تھا، میں نے اس کی سنگینیت کے بارے میں پہلے دن ہی ازہری صاحب اور ناظم صاحب کو باخبر کر دیا تھا۔لیکن افسوس کہ وہ لوگ اس مسئلے پر کچھ نہ کرسکے اور بات آگے بڑھ گئی۔ اب ناظم صاحب کی خواہش تھی کہ ازہری صاحب بمبئی سے دہلی ہوتے ہوئے بنارس واپس ہوں تاکہ متعلقہ شخص سے اس سلسلے میں افہام وتفہیم ہوجائے۔ بہرحال ہم بمبئی سے دہلی پہنچے اور بات چیت ہوئی لیکن بات کسی نتیجے تک نہ پہنچی۔ یہ ہمارا بڑا لمبا سفر تھا۔ اس میں میں نے ازہری صاحب کو بڑا صابر وشاکراور قناعت پسند آدمی دیکھا۔ جامعہ کی طرف سے اخراجات کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے تھے کہ اس سے لوگوں کو زبانیں کھولنے کا موقع ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے یہاں حساب کتاب کا مسئلہ تو الگ ہے۔

حیدرآباد کے ایک علمی سفر میں میں ان کے ساتھ تھا۔ وہاں ایک سرکاری ادرے کی طرف سے ڈاکٹر عبدالودود اعظمی صاحب کی نگرانی میں عربی کی تعلیم پر ایک سیمینار تھا جس میں ہندوستانی یونیورسٹیوں اور بعض نمائندہ جامعات جیسے ندوہ، دیوبند، جامعہ سلفیہ وغیرہ کے نمائندے بھی شریک ہوئے تھے۔ یہ سفر بھی بڑا طول طویل تھا، اور مجھے تنہا ایک ادارہ کی زیارت کے لیے شولا پور جونا تھا، میں وہاں سے جا کر آیا۔ اس سفر میں بھی میں نے آپ کے صبر وضبط اور قوت برداشت کا مشاہدہ کیا۔

توعیہ اسلامیہ مکہ مکرمہ:

موسم حج میں حجاج ومعتمرین کی دینی راہنمائی اور مسائل حج میں ان کے فتاویٰ کے جوابات کے لیے حکومت کے ادارہ دارالافتاء کی طرف سے اور بعد میں وزارت الاوقاف کے تابع یہ ادارہ بڑی اہم دینی خدمت شروع سے آج تک کرتا آرہا ہے۔ برصغیر کے علماء ودعاۃ بھی اس میں شرکت کرتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ کے طلباء بھی مشائخ کی تقاریر اور فتاویٰ کے ترجمہ کے لیے ایامِ حج میں اس میں کام کرتے تھے۔ میں نے بھی ایک سے زائد بار شرکت کی ہے۔ ازہری صاحب اس ادارے میں کئی سال حاضر ہوئے۔ وہیں پر میری ملاقات مولانا سعید الرحمٰن اعظمی سے بڑی اچھی طرح ہوئی۔ ازہری صاحب شعبہ صحافت عربی میں بھی یہاں کے اساتذہ کے ساتھ کام کرتے تھے۔ ایک بار ایک شذرہ میری کتاب جهـود مـخـلـصـة في خدمة السنة المطهرة پر شائع ہوا جو آپ کے توسط سے اس شعبہ کے ممبر کو ملا تو موصوف نے اس پر تبصرہ کیا۔ اس کا ایک نسخہ ازہری صاحب نے مجھے بھی دیا تھا۔ دارالافتا ریاض میں آنے جانے اور توعیہ کے پروگراموں میں شرکت کے ذریعہ شیخ محمد عبداللہ بن قعود اور ڈاکٹر محمد سعد الشویعر وغیرہ سے بڑے اچھے روابط قائم ہوئے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی طالب علمی سے اس کی انتظامیہ کی ممبر شپ تک:

۱۹۶۸ء میں ازہری صاحب بنارس آئے اور بعد میں علی گڑھ کے شعبہ عربی میں پی ایچ ڈی کے رسالہ لکھنے کے لیے داخلہ لیا تو اس سلسلے میں کئی سال تک ان کی علی گڑھ میں اقامت رہی اور بعد میں ایک سال لیکچرر شپ میں علی گڑھ میں رہنا ہوا، اور چھٹیوں میں بنارس چلے آتے تھے۔

علی گڑھ کی اقامت کی وجہ سے جامعہ سلفیہ کے تعلقات اس یونیورسٹی کے اساتذہ کے ساتھ علی وجہ الخصوص اور دوسری یونیورسٹیوں اور اداروں کے ساتھ استوار ہوئے جس سے طرفین کو فائدہ ہوا۔جس کا مظاہرہ سیمیناروں میں اور اجتماعات میں شرکت اور جامعہ کی سند دوسری حکومتی یونیورسٹیوں میں اعتراف کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

ازہری صاحب کا رابطہ علی گڑھ سے بنا رہا۔ آخر میں وہاں کی انتظامیہ بورڈ کی ممبری بھی ملی جو بہرحال طرفین کے لیے اعزاز ہے۔ ٹھیٹھ دینی مدارس کے فارغ التحصیل متحرک اہل حدیث عالم کا ممبری کے لیے انتخاب یہ اچھی چیز بھی تھی اور نادر بھی۔ اس میں صلاحیت واستعداد کے ساتھ شخصیت کی وجاہت بھی رہے تو ممبر کے لیے اعزاز ہے اور محض تعلقات کی بنا پر ممبر شپ حاصل ہو تو جو تبصرہ چاہیے وہ کرلیجیے۔ میری نظر میں اس طرح کے اداروں کی ممبری علی گڑھ کے لیے اعزاز ہے کہ اتنے فاضل آدمی وہاں سے نسبت رکھتے ہیں، ورنہ

ممبران تو اداروں میں آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ خود ازہری صاحب کو اس طرح کی ممبری سے بہت دلچسپی نہیں تھی، اسی لیے اس کے اکثر اجتماعات میں شریک بھی نہیں ہوئے۔

ایک تجویز:

کسی بھی اہم شخصیت کی رحلت کے بعد لوگوں کو اِس بات کا شوق ہوتا ہے کہ وہ اس شخصیت کے بارے میں پڑھیں۔ ازہری صاحب ان علمی اور دینی شخصیات میں سے ہیں جن کا رابطہ علماء اور طلباء سے پوری زندگی رہا ہے، اور انھوں نے جو کچھ لکھا پڑھا اکثر چیزیں کتابی شکل میں، نیز مجلّات میں مطبوع ہیں۔ الحمد للہ جامعہ سلفیہ کے مجلّات میں شائع ہونے والے مقالات سب کے سب محفوظ ہیں، اس لیے میں نے ازہری صاحب سے کئی مرتبہ اس بات کا مطالبہ کیا کہ مختلف عناوین وموضوعات کے مقالات کو مرتب کرکے شائع کرنا چاہیے تو وہ اس پر تیار تھے لیکن عملی طور پر مقالات کو الگ سے شائع کرنے کا کام نہ ہوسکا۔ اب عزیز ڈاکٹر فوزان ازہری سے گزارش ہے کہ وہ مقالات کی ترتیب کا کام کرکے اس کو اشاعت کے لائق بنائیں، میرے خیال میں اس کی ترتیب اس طرح سے ہوسکتی ہے:

۱: مقالات الازہری (کتابوں پر مقدمے اور تقریظات، اردو)
۲: مقالات الازہری (کتابوں پر مقدمے اور تقریظات، عربی)
۳: البحوث المقدمة في الندوات والمؤتمرات (خارج الهند)
۴: مقالات الازہری (سیمینار اور کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالات)
۵: مقالات الازہری (تعلیم وتربیت اور نصاب تعلیم سے متعلق مقالات)
۶: مقالات الازہری (تاریخ اہل حدیث اور مسلک اہل حدیث سے متعلق مقالات)
۷: مقالات الازہری (اسلامی دعوت اور اسلام کی نشر واشاعت سے متعلق مقالات)
۸: مقالات الازہری (ہندوستان میں عربی ادب اور زبان سے متعلق مقالات)
۹: مقالات الازہری (مسلمانوں کے سیاسی، اجتماعی اور تعلیمی مسائل سے متعلق مقالات)
۱۰: مقالات الازہری (سفرنامے)
۱۱: مقالات الازہری (شخصیات کا تعارف، تراجم اور وفیات)
۱۲: مقالات الازہری (حدیث اور حجیت حدیث اور عمل بالحدیث سے متعلق مقالات)
۱۳: مقالات الازہری (معاشرتی مسائل سے متعلق مقالات)
۱۴: مقالات الازہری (قرآنِ کریم کے فضائل ومناقب سے متعلق مقالات)
۱۵: مقالات الازہری (الادیان والفرق سے متعلق مقالات)
۱۶: مقالات الازہری (سعودی عرب اور عالم اسلام سے متعلق مقالات)
۱۷: مقالات الازہری (علمی اور تحقیقی مقالات)
۱۸: مقالات الازہری (مسلم پرسنل لاء بورڈ اور مسلم مسائل سے متعلق مقالات)
۱۹: مقالات الازہری (جامعہ سلفیہ اور دوسرے دینی اور تعلیمی اداروں سے متعلق مقالات)

اساتذہ، طلباء اور مؤلفین ومترجمین کی ہمت افزائی:

۱: ازہری صاحب جامعہ سلفیہ کے اساتذۂ کرام اور دوسرے علماء وفضلاء کو ہمیشہ اس بات کی ہمت دلاتے کہ وہ تصنیف وتالیف اور ترجمہ کا کام کچھ نہ کچھ کرتے رہیں۔ جس نے بھی کوئی مقالہ یا کوئی کتاب ان کو اشاعت کے لیے بھیجی تو آپ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ چیز مجلّات میں یا ادارۃ البحوث کی طرف سے چھپ جائے۔ اس سلسلے میں پہلی مثال مولانا رئیس الاحرار ندوی کی ہے جن کی آپ نے بھرپور ہمت افزائی کی اور برابر تصنیف وتالیف میں ان کی مدد کرتے رہے۔ ان کی ساری کتابیں جامعہ سے

شائع کرنے کا انتظام کیا۔ جب کہ بعض لوگ ندوی صاحب کی کتابوں کو جامعہ سے شائع کرنے کے سلسلے میں بہت سارے عذر تلاش کرتے تھے، ان میں سے بعض برحق بھی تھے لیکن ازہری صاحب نے مولانا کو جامعہ سے حق المحنت دلانے اور ان کتابوں کی اشاعت میں کوئی رکاوٹ نہ آنے دی۔

ایک فاضل نے ایک اہم دینی اور علمی شخصیت پر ایک مشہور عالم دین کی نگرانی میں ایک مقالہ تیار کیا۔ مقالے کے بعض حصوں کو جامعہ سلفیہ کے مجلّہ صوت الامہ میں اشاعت کے لیے بھیجا۔ ۱۴۰۸ھ سے ۱۴۱۲ھ تک مقالات کی ترتیب دے کر میں استاد محترم کے پاس پیش کر دیتا تھا اور جب وہ اس کی اجازت دے دیتے تو وہ پریس میں چلا جاتا۔ اس مقالے کے سلسلے میں میں نے کہا کہ اس کی اصلاح کے بغیر اس کی اشاعت مناسب نہیں ہے تو اس پر ناراض ہوگئے اور کسی اور سے کہا کہ اس کو دیکھ لیں اور وہاں سے بھی یہی جواب آیا تو خود اس کو پڑھا اور میری رائے کی تصویب فرمائی کہ یقیناً یہ مقالہ اس صورت میں شائع ہونے کے لائق نہیں ہے۔

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا منصوبہ یہ تھا کہ کتبِ حدیث اہل حدیث علماء کے حواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع کی جائیں تاکہ برصغیر کے اہل حدیث مدارس میں صحیح ڈھنگ سے حدیث کی تعلیم ہو۔ اور یہ کام خود انھوں نے التعلیقات السلفیة علی سنن النسائي کو شائع کر کے کیا۔ اور آپ کی تجویز پر شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ نے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کی تالیف فرمائی۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی صحیح بخاری پر حاشیے کی ہے۔ اس حاشیے کے لیے آپ نے مولانا عزیز زبیدی رحمہ اللہ کو منتخب کیا اور انھوں نے یہ کام انجام بھی دیا اور اشاعت کی غرض سے یہ حاشیہ جامعہ سلفیہ کے پاس پہنچا۔ ۱۴۰۸ھ میں جب میں جامعہ گیا تو ازہری صاحب نے یہ مسودہ مجھے دیا کہ میں اس پر اپنی رائے دوں۔ کئی دن کے مطالعہ کے بعد میں نے عرض کیا کہ جس مقصد کے لیے یہ حاشیہ تیار کرایا گیا ہے موجودہ صورت میں اس کی اشاعت سے وہ مطلوبہ مقصد حاصل نہیں ہوگا، اس لیے کہ جن مروّجہ کتبِ حدیث کے حواشی سے مستغنی ہونے کے لیے اس حاشیے کی ضرورت ہے، اس کے مراجع بھی کم وبیش وہی ہیں جو مطبوع اور مروّج ہیں۔ مزید اطمینان کے لیے آپ نے ڈاکٹر رضاء اللہ رحمہ اللہ سے کہا کہ اس حاشیے پر وہ اپنی رائے دیں تو انھوں نے بھی وہی بات کہی جو میں کہہ چکا تھا۔

ادارۃ البحوث سے اچھی کتابوں کی اشاعت اور مجلّہ صوت الامہ میں مقالات کی اشاعت کے لیے برابر خط وکتابت بھی کرتے تھے، اور بعض دفعہ اس انداز سے مطالبہ کرتے کہ اس پر مجھے اعتراض ہوتا لیکن دعوت کی مصلحت کے پیش نظر آپ کا یہ اسلوب ہوتا۔

ہندوستان میں عربی زبان وادب پر مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی ''المختارات'' مشہور انتخاب ہے۔ ازہری صاحب ایک نئے انتخاب کی خواہش رکھتے تھے اور اس کے لیے آپ نے پروگرام بھی بنایا تھا لیکن یہ کام یا تو سعودی عرب اور مصر کی لائبریریوں میں ہوتا یا پھر علی گڑھ کی مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری میں جہاں عربی ادب کے قدیم وجدید مراجع دینی مدارس کی لائبریریوں کی نسبت زیادہ موجود تھے۔ چنانچہ آپ کی خواہش تھی کہ میں ۱۹۷۳ء میں کچھ دن کے لیے علی گڑھ آؤں اور ان منتخب مقالات کو کتابوں سے نوٹ کروں۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا اور پھر میں ۱۹۷۴ء میں مدینہ منورہ آ گیا اور اس موضوع پر کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔

آپ کی خواہش یہ تھی کہ امام بخاری رحمہ اللہ پر ایک اچھا خاصا سیمینار جامعہ سلفیہ میں منعقد کیا جائے۔ ایسے ہی ایک خواہش یہ تھی کہ ایک بار علامہ البانی رحمہ اللہ صاحب کو ہندوستان لایا جائے اور ان کے لیے جامعہ سلفیہ میں پروگرام رکھے جائیں۔ لیکن یہ دونوں خواہشیں پوری نہ ہوپائیں، اور امام بخاری سے متعلق ایک دوبار تجویز آئی لیکن بعد کے ملکی اور غیر ملکی ناموافق اور ناسازگار ماحول میں کسی بڑی کانفرنس کا انعقاد ایک مشکل مسئلہ تھا۔ (جاری ہے)

تین ہزار سالہ روایات، تہذیب، قوم

اوریا مقبول جان

پاکستان کا الیکٹرانک میڈیا دنیا کا منفرد اور نرالا میڈیا ہے۔ یہ اگر تہیہ کر لے کہ اس نے کسی کی عزت سر بازار نیلام کرنی ہے تو پھر اُسے دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ یہ شیروں کی طرح دھاڑتا، بھیڑیوں کی طرح اپنے شکار کی تکا بوٹی کرتا اور فاتح پہلوانوں کی طرح رقص کرتا نظر آتا ہے۔ اس میڈیا کا سب سے مظلوم شکار اِسلام ہے۔ وہ اسے جب جس وقت اور جہاں چاہے گھسیٹ کے درمیان میں لے آتا ہے۔ ایک گھنٹے کا تماشا لگتا ہے اور اس تماشا گاہ میں تمسخر اور تضحیک کا نشانہ بنانے کے لیے میرے ملک کے سادہ لوح علماء کو پکڑ پکڑ کر لایا جاتا ہے، پھر ان کے منہ میں ایسے فقرے ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے ان تمام ظالمانہ اور جاہلانہ رسوم کو اسلام اور مولوی کے کھاتے میں ڈال کر بدنامی کی مہر لگا دی جائے۔ اس ساری بحث کا مقبول ترین موضوع عورت اور اس پر ہونے والے مظالم ہیں جن میں غیرت کے نام پر قتل سرفہرست ہے۔

غیرت کے نام پر قتل کی تاریخ نکالی جائے تو یہ اسلام کی حقانی تعلیمات کے اس دنیا میں آنے سے صدیوں پہلے انسانی معاشروں کا سکہ رائج الوقت تھا۔ حمورابی کے قوانین جنھیں دنیا میں قوانین کا سرچشمہ مانا جاتا ہے جو ۱۲۰۰ قبل مسیح کی تاریخ رکھتے ہیں، اس کے مطابق عورت کی عزت (Chastity) خاندان کی ملکیت ہے اور اگر یہ تباہ ہو جائے تو اسے قتل کر دیا جاتا۔ قدیم روم کے Roman Law of Pater Families کے مطابق عورت کی عزت لوٹنا ایک ایسا فعل ہے جو معاشرے میں اس کی حیثیت اور احترام کو تباہ کر دیتا ہے، اس لیے رحم کا تقاضا ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے تاکہ وہ بے عزت زندگی نہ گزارے۔ ایسا ہی قانون یونان کے قبل مسیح معاشرے میں موجود تھا۔ قدیم ایران میں سائرس اعظم سے یہ دستور تھا کہ ایک بے راہ رَو عورت کو دیوار میں چن دیا جائے جہاں وہ خود اپنی موت مر جائے۔ برصغیر پاک و ہند کے معاشرے میں تو ایسی عورت کو جلتی آگ یا کھولتے تیل میں پھینک دیا جاتا تھا۔ راجپوت تو جنگ میں نکلتے تو عورتوں کو قلعے میں بند کر کے آگ لگا دیتے کہ شکست کی صورت میں دشمنوں کے ہاتھ نہ آ جائیں اور ان کی عزت ملیا میٹ نہ کر دیں۔

پاکستان کے معاشرے میں یہ مظالم بھی انھی ''عظیم'' قومی روایات کا حصہ ہیں۔ کاروکاری ایک سندھی رسم ہے جو سندھ میں کئی ہزار سال سے غیرت، عزت اور حمیت کے نام پر چلی آ رہی ہے۔ اسی طرح بلوچستان میں اسے سیاہ کاری کہتے ہیں جو بلوچ غیرت اور عزت کے حوالے سے کئی ہزار سال سے اس معاشرے میں قبائلی جرگے کے ذریعے نافذ ہوتی ہے۔ ونی اور سوارا یہ پشتون معاشرے کی رسمیں ہیں جس پر ان کا قبائلی معاشرہ صدیوں سے عمل کرتا چلا آیا ہے۔ وٹہ سٹہ، جہیز نہ لانے پر قتل اور بہو پر مظالم پنجاب کے علاقوں میں ہزاروں سال سے ہے جس میں مسلمان، سکھ اور ہندو سب برابر ہیں۔ یہ تمام رسمیں اسی طرح ان معاشروں کا حصہ ہیں جس طرح سندھ میں اجرک اور ٹوپی، پنجاب میں پگ اور دھوتی، پشتونوں میں لنگی اور شلوار اور بلوچوں میں بلوچی پگڑی اور گھیر دار شلوار، ان رسموں کا تعلق نہ کبھی اسلام سے رہا ہے اور نہ کبھی اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ جب قبائلی جرگے بیٹھتے ہیں تو کوئی مولوی سے جا کر فتویٰ نہیں لیتا۔ جب بہو کو تیل ڈال کر جلایا جاتا ہے تو کوئی قرآن کھول کر اس کی تعبیر نہیں نکالتا۔ سب اپنی بلوچی، پشتون، سندھی اور پنجابی غیرت کے نام پر قتل بھی کرتے ہیں، تیزاب بھی پھینکتے ہیں اور صلح کے

نام پر خون خرابے کو بچانے کے لیے عورتیں نکاح میں بھی دیتے ہیں۔ راجپوت جنگ چھوڑ سکتا ہے منگ نہیں چھوڑ سکتا۔ کئی ہزار سال پرانا مقولہ ہے جس پر آج بھی رشتہ توڑنے پر عورتیں قتل ہوتی ہیں۔

لیکن کمال ہے میرے ملک کے میڈیا کا کہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے وہ ایک جانب مغرب کی پروردہ این جی اوز کی خواتین کو بٹھاتے ہیں اور دوسری جانب میڈیا کے کسی شوقین مولوی کو جس کا اس معاملے کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ان نعرے باز قوم پرستوں کو نہیں بلایا جاتا جو کہتے ہیں ہم تین ہزار سال سے پشتون، سندھی، بلوچ اور پنجابی ہیں، چودہ سو سال سے مسلمان اور ساٹھ سال سے پاکستانی ہیں۔ جو نعرے بلند کرتے ہیں کہ ہماری یہ حیثیت سندھی، بلوچ، پشتون اور پنجابی ایک شناخت ہے، ایک زمین ہے جس کے لیے ہم خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ جن کی زبان، لباس، کھانے کے ذائقے اور موسیقی پر کوئی اعتراض کردے تو مرنے مارنے پر اُتر آتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان این جی اوز کی خواتین کے مقابلے میں کسی پشتون، سندھی، بلوچ اور پنجابی قوم پرست کو بٹھایا جاتا اور پوچھا جاتا: بتاؤ تم اپنی اس تین ہزار سال کی عزت وناموس اور غیرت وحمیت کے نام پر قتل کرنے کی روایت اور پہچان کی وکالت کرتے ہو۔ پھر ان کا سامنا ان مغرب زدہ این جی اوز کی خواتین سے کروایا جاتا جو منہ پھاڑ کر ویسی ہی زبان استعمال کرتیں جیسی وہ اسلام اور مولوی کے خلاف کرتی ہیں تو میں دیکھتا کیسے پشتونوں، سندھیوں، بلوچوں اور پنجابیوں کے حقوق میں علم بردار آگ بگولہ ہوجاتے، ان کے منہ سے جھاگ نکلنے لگتی اور وہ کیسے ان عورتوں کو بھی اسی قابل سمجھتے جیسے جرگے میں فیصلے کرنے والے عظیم بلوچ، پشتون، پنجابی اور سندھی سپوت غیرت کے نام پر دھبہ عورتوں کو تصور کرتے ہیں۔ کیا کبھی ان لوگوں کو اس کٹہرے میں لا کھڑا کیا گیا۔ ایسا کوئی نہیں کرے گا۔

تین ہزار سال سے پشتون، بلوچ، پنجابی اور سندھی کہلانے والوں کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ چودہ سو سال پہلے اللہ نے ایک پیغمبر رحمت مبعوث فرمایا جو ایک ایسی الہامی کتاب لے کر آیا جس کی سورت تکویر ایسے پشتون، بلوچ، پنجابی اور سندھی غیرت مندوں کے بارے میں ہے جو یوں عورتوں کو اپنی تین ہزار سالہ روایات کی پاسداری کے لیے قتل کرتے ہیں ایک حشر کا پیغام دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب سورج لپیٹ دیا جائے گا، جب تارے بے نور ہوجائیں گے، جب پہاڑ چلا دیے جائیں گے، جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں چھٹی پڑیں گی۔ جب وحشی جانور خوف کے مارے اکٹھے ہوجائیں اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے اور جب جانوں کو جسموں سے جوڑا جائے گا۔''

ان آیات میں حشر کا میدان سجایا گیا ہے اور اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جب قتل کی گئی لڑکی سے سوال کیا جائے گا کہ تمھیں کس گناہ میں مارا گیا۔''

یعنی اللہ ان غیرت مند، تین ہزار سال کی تاریخ اور روایات کے امین سندھی، پنجابی، پشتون اور بلوچوں کو دیکھے گا بھی نہیں اور مظلوم عورت سے سوال کرے گا کہ تمھیں کیوں قتل کیا گیا۔ حیرت ہے کہ ہم اس رسولِ رحمت کی چودہ سو سالہ تعلیمات پر فخر کرنے کی بجائے تین ہزار سالہ جہالت کا تاج سر پر سجانے میں عزت محسوس کرتے ہیں۔

(بہ شکریہ روزنامہ ایکسپریس)

دارالدعوۃ السّلفیہ لاہور کی مجلس عاملہ کے اجلاس کی کارروائی

۲۳؍مئی ۲۰۱۲ء بروز بدھ بعد نمازِ ظہر دارالدعوۃ السّلفیہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس صدر ادارہ مولانا ابوبکر صدیق السّلفی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں تیرہ ارکان نے شرکت فرمائی۔

حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ نے قرآنِ مجید کی تلاوت فرمائی۔

سابقہ کارروائی کا جائزہ لیا گیا۔معمولی ردّ وقدح کے بعد صاحب صدر نے سابقہ کارروائی کی توثیق فرمائی۔

ادارے کے اسسٹنٹ لائبریرین عبد الرحیم بلتستانی کے بغیر نوٹس دیے ادارے کو چھوڑنے کا سخت نوٹس لیا گیا اور ان کے ادارہ کو چھوڑنے کے بعد کی صورت حال کا جائزہ لیا گیا اور ان کی جگہ نئے لائبریرین کی تقرری کی منظوری دی گئی۔ اس ضمن میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ ہذا میں باقاعدہ ملازمت کے قواعد وضوابط وضع کیے جائیں اوران کی ہرصورت پابندی کی جائے۔

ادارہ کی مجلس علمی کے رفیق مولانا عبدالرحمٰن بلتستانی جو تنقیح الرواۃ کی تخریج وتہذیب کا کام کررہے ہیں، ان کی تدریسی مصروفیت کے بعد کی صورت حال پر سیر حاصل بحث کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ادارہ دارالدعوۃ السلفیۃ کے زیر اہتمام دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا جائے جس میں صرف مقامی طلباء کو داخلہ دیا جائے اور مدرسہ کا نصاب تیار کیا جائے۔

ہفت روزہ الاعتصام کی کمپوزنگ، الاعتصام کو آن لائن پیش کرنے اور ادارے کی لائبریری کو کمپیوٹرائزڈ کرنے کے لیے کمپیوٹر آپریٹر کے تقرر کی منظوری دی گئی۔

ہفت روزہ الاعتصام کا اشاریہ زیر ترتیب وتسوید ہے۔تین قسم کے اشاریوں کے نمونوں کا تقابلی جائزہ لے کر مولانا عبدالقیوم انصاری کے تیار کردہ نمونے کو زیادہ مفصل اور مفید ہونے کی وجہ سے منظور کیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ الاعتصام میں شائع ہونے والے دروس قرآن اور اداریوں کے عنوانات بھی دیے جائیں۔

اس سال رمضان المبارک میں کوئی نئی کتاب شائع کرنے کی بجائے پہلے سے سٹاک میں موجود کتابیں معاونین کو بھیجی جائیں۔

نئی حکومتی لیبر پالیسی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا گیا کہ پرائیویٹ اداروں پر اس پالیسی کا اطلاق نہیں ہوتا تاہم اراکین ادارہ کے معاوضوں کو معقول بنانے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا۔

سیکرٹری مجلس عاملہ

دارالدعوۃ السّلفیہ، لاہور

تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

فتاویٰ راشدیہ

تصنیف: حضرت سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی

ترتیب: مولانا افتخار احمد تاج الدین ازہری

ناشر: نعمانی کتب خانہ، حق سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

ضخامت: ۶۶۴ صفحات۔ عمدہ کاغذ، اچھی کمپوزنگ، عمدہ طباعت، مضبوط جلد۔

تبصرہ نگار: محمد اسحاق بھٹی

اس وقت پاکستان میں مولانا افتخار احمد ازہری کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ راشدی علمائے کرام کی تصانیف اور ان کے علمی کارناموں کو نہایت اہتمام سے مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے جس کو سرانجام دینے کا انھوں نے فیصلہ کیا ہے۔ حضرت سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی کے ''فتاویٰ راشدیہ'' کی اشاعت اسی زمرے میں آتی ہے جس پر وہ بجا طور سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔

سیّد صاحب ممدوح کو بالخصوص صوبہ سندھ میں نہایت احترام کا مقام حاصل تھا (اب بھی حاصل ہے۔) وہ جدید وقدیم علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ تقریر وخطابت میں بھی ان کی بڑی شہرت تھی اور تصنیف وتالیف میں بھی اللہ نے ان کو بڑا ملکہ عطا فرمایا تھا۔

مختلف مسائل پوچھنے کے لیے کثیر تعداد میں لوگ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ وہ زبانی مسائل بتانے کے علاوہ لوگوں کے تحریری سوالات کے جواب تحریری صورت میں دیتے تھے، جس سے وہ مطمئن ہوجاتے اور ان کے جواب کو حتمی اور قطعی قرار دیتے۔ وہ خالص قرآن وحدیث کی روشنی میں فتویٰ تحریر فرماتے تھے اور لوگ جذبات مسرت کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

سرکاری محکموں اور عدالتوں میں بھی ان کے فتوے کو خاص اہمیت دی جاتی تھی۔ ان کا دائرۂ تحریر چوں کہ قرآن وحدیث تک محدود رہتا تھا، اس لیے عدالتیں اس پر صاد کرتیں اور ان کے رقم فرمودہ ارشادات کو مدارِ فیصلہ ٹھہرایا جاتا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو اُن کے حصے میں آیا۔ ان کے فتوے کی ایک نقل سائل کو دی جاتی اور ایک ان کے پاس محفوظ ہوجاتی۔

مولانا افتخار احمد ازہری کو اللہ جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اپنے رفقائے کرام کی مدد سے محنت کر کے ان فتوؤں کو جمع کیا اور ان کے الگ الگ عنوان قائم کر کے ان کی اشاعت کے لیے کمر ہمت باندھی۔ فتاویٰ راشدیہ کے چودہ بڑے عنوانات ہیں جو یہ ہیں:

۱: قرآن اور اس کے متعلقات۔

۲: حدیث اور اس کے متعلقات۔

۳: کتاب العقائد۔ ۴: کتاب الطہارت۔

۵: نماز کے مسائل۔ ۶: کتاب الجنائز۔

۷: کتاب الزکاۃ۔ ۸: نکاح کے مسائل۔

۹: طلاق کے مسائل۔ ۱۰: معاملات کے مسائل۔

۱۱: ادب کے مسائل۔ ۱۲: تحقیق وتنقید۔

۱۳: کتاب الصید۔ ۱۴: کتاب المیراث۔

ہر بڑے عنوان کے تحت بہت سے ذیلی عنوانات ہیں۔ اس طرح یہ فتاویٰ مختلف مسائل کا بہت بڑا علمی مجموعہ بن گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے قاری بے شمار شرعی مسائل سے آگاہ ہوجاتا ہے۔

فتاویٰ راشدیہ کی تقدیم حضرت سیّد محبّ اللہ شاہ صاحب راشدی کے صاحب زادۂ گرامی جناب سیّد قاسم شاہ راشدی نے لکھی جس میں اس موضوع کی اہم معلومات کی وضاحت کردی گئی ہے۔ حرفے چند جناب پروفیسر مولا بخش محمدی کے تحریر کردہ ہیں، جن میں فتاویٰ کی جمع وترتیب اور

اشاعت سے متعلق ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ پیش لفظ مولانا محمد رمضان سلفی نے لکھا۔ یہ ایک طویل تحریر ہے، جس میں برصغیر کے علمائے اہل حدیث کے تقریباً تمام مطبوعہ کتب فتاویٰ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر کا سلسلہ ''فتاویٰ نواب صدیق حسن خاں'' سے چلتا ہے اور زیر نظر فتاویٰ راشدیہ تک پہنچتا ہے۔ یہ کل تینتیس (۳۳) فتاوے ہوئے جو برصغیر کے اہل حدیث علمائے کرام نے تحریر فرمائے اور کتابی صورت میں شائع ہوئے۔ ان میں سے بعض تین تین جلدوں پر مشتمل ہیں اور بعض دو جلدوں میں اور بعض ایک جلد تک محدود ہیں۔ اس موضوع پر تحقیق کرنے والوں کے لیے یہ مضمون بڑا مددگار ثابت ہوگا۔

اس مضمون کے آگے مرتب فتاویٰ مولانا افتخار احمد ازہری نے فتاویٰ راشدیہ کی خصوصیات بیان کی ہیں اور سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی کی علمی حیثیت کی وضاحت فرمائی ہے۔ ''فتاویٰ راشدیہ ایک نظر میں'' کے عنوان سے جامعہ بحر العلوم السّلفیہ میر پور خاص (سندھ) کے فاضل حافظ ثناء اللہ تبسم (بیرانی) کی تحریر آتی ہے۔ اس سے آگے فتاویٰ کے مضامین کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے جو آخر تک چلتا ہے۔

یہ بہت بڑی علمی خدمت ہے جو مولانا افتخار احمد ازہری نے سرانجام دی۔ اس پر ہم ان کو اور ان کے رفقائے کار کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں اور ناشر فتاویٰ نعمانیہ کتب خانہ کے اربابِ انتظام کو بھی ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔

یہاں یہ عرض کرنے کو بھی جی چاہتا ہے کہ یہ فقیر پہلا شخص ہے جس نے اپنی کتاب ''کاروانِ سلف'' میں سیّد محبّ اللہ شاہ راشدی اور ان کے برادرِ صغیر سیّد بدیع الدین شاہ راشدی کے حالات میں مفصل مضامین لکھے۔ یہ کتاب مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد اور لاہور نے شائع کی اور کئی دفعہ چھپی۔ اس سے قبل خاص اسلوب سے مرتب صورت میں ان حضرات پر کسی نے نہیں لکھا۔ ان حضرات کی وفات پر چھوٹے چھوٹے چند اخباری تعزیتی مضمون تو بعض دوستوں نے لکھے لیکن تفصیل کے ساتھ کسی نے کچھ تحریر نہیں کیا۔ میں نے اپنے مضامین میں ان بزرگانِ عالی قدر کی تمام عربی، اردو، سندھی تصانیف کی فہرست بھی درج کر دی ہے۔

ایک دیا اور بجھا

۴؍جون ۲۰۱۲ء بروز سوموار مولانا ہارون الرشید قضائے الٰہی سے وفات پا گئے، إنا لله وإنا إليه راجعون.

مرحوم ایک جید عالم دین تھے۔ ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد حصول علم کے لیے جامعہ رحمانیہ (کراچی) میں داخلہ لیا اور وہاں علامہ محمد یوسف کلکتوی اور مولانا عبدالغفار حسن جیسے اساتذہ سے رشتہ تلمذ رہا۔ وہاں سے فراغت کے بعد مولانا ہارون الرشید ؒ نے مزید تعلیم کے لیے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الدعوۃ میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۳ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد سعودی اسکول (اسلام آباد) میں مدرس رہے۔ مولانا مرحوم گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ وہ انتہائی مشفق استاد اور خاموش مبلغ تھے۔ مولانا عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ ان کے لائق شاگردوں میں سے ہیں۔ مرحوم کی نماز جنازہ راولپنڈی میں حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی حسنات کو قبول فرمائے اور سیئات سے درگزر فرما کر انھیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔ اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه. (ادارہ)

اعلان منسوخیِ تزکیہ

مختلف مدارس ومساجد کے حضرات کو حصولِ تعاون کے لیے جس قدر تزکیے جاری کیے گئے ہیں وہ سب منسوخ کیے جاتے ہیں۔ پوری چھان پھٹک کے بعد مستحق مدارس ومساجد کے تعاون کے لیے از سر نو تزکیے جاری کیے جائیں گے، ان شاء اللہ۔ میرے سابقہ تزکیہ جات پر کسی کو ہرگز تعاون نہ دیا جائے۔ (محمد یٰسین راہی)

اظہارِ تعزیت

گزشتہ دنوں مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری، ابتسام الٰہی بن مولانا زبیر ظہیر کی وفیات ہوگئیں، إنا لله وإنا إليه راجعون. ادارہ نصر الائمہ کے اجلاس میں تعزیت کی گئی اور مرحومین کے لیے مغفرت کی دعا کی گئی۔ (امیر حمزہ حماد طور، گوجرانوالہ)

عرض کرتا ہوں

وقت کی تحریر سے پہلو بچانا چھوڑ دو
کوچہ و بازار میں نخرے دکھانا چھوڑ دو
اے عزیزو روک لو تاریخ کی رفتار کو
ماضیِ مرحوم پر آنسوے بہانا چھوڑ دو
لوٹ جاؤ قرنِ اوّل کے علمداروں کی سمت
خوفِ غیر اللہ سینوں میں بسانا چھوڑ دو
تخمِ حنظل سے توقع شہد کی ممکن نہیں
قادیانی مہوشوں میں آنا جانا چھوڑ دو
اشتراکیت کا پودا خوب کیا ناخوب کیا؟
اپنی بربادی کی بنیادیں اٹھانا چھوڑ دو
کجلاہوں کو خدا کہنا بھی عین کفر ہے
شہریاروں کی ثنا لکھنا لکھانا چھوڑ دو
ڈر رہا ہوں عالمانِ دین سے کہتا ہوا
منبر و محراب کا پرچم جھکانا چھوڑ دو
ہم پسِ دیوارِ زنداں بھی رہے ہیں سرخرو
سوختہ جانوں پہ خنجر آزمانا چھوڑ دو
رام ہوسکتے نہیں شورش کبھی لات و ہبل
ان بتوں سے رابطہ اپنا بڑھانا چھوڑ دو

(شورش کاشمیری)